

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 8

پتھر کی چیخ

24

خوفناک ہنگامہ

25

دو ہر اقتل

26

ابن صفحی

اسرار پبلی کیشنر

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سڑیت

اردو بازار لاہور - فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشور خالد سلطان

پرنسپل ہشام اشر پرانزز

سلیل ڈپو: عثمان ٹرینڈرز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر شریٹ
اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 24

پھر کی چیخ

(مکمل ناول)

پیش لفظ

یہ ناول ایک بالکل ہی انوکھی اور نئی کہانی پیش کرتا ہے۔ جرم کرنے والوں میں Sadist یا اذیت کوش آج کل تماں نظر آتے ہیں۔ آئے دن آپ نے اخباروں میں کم عمر لاکوں اور لاکیوں کے اغوا اور بعد میں ان کے بے رحمانہ قتل کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ آپ اسے یقین مانیں کہ ایسے بھی ایک جرائم کے پیچھے انسی مخصوص صورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف کسی کا گمان بھی نہیں جا سکتا۔ یہ اپنے جنپی دباؤ سے مجبور ہو کر اس حد تک خطرناک، مریضات اور بھی ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ انہیں انسانی ہڈیوں کے چھوڑنے میں رسلی جلیبوں کا حزہ آتا ہے۔

ایسا ہی ایک کرادار آپ کو اس ناول میں ملے گا۔ میاں حمید بھی اس مرتبہ کافی چاق و چوبندر ہے۔ انہوں نے محض باقی نہیں بنا سکیں بلکہ پچھے کیا بھی ہے۔

آئندہ شمارہ جو بلی نمبر ہوگا۔ ”خوفناک ہنگامہ“ کی کہانی کے لئے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اب تک جتنے ناول میں نے چیلنج کے ساتھ لکھے ہیں انہیں آپ سب نے پسند کیا ہے۔ جو بلی نمبر بھی اُسی اعتماد کے سہارے لکھ رہا ہوں اور آپ یقین کیجئے کہ پڑھنے کے بعد آپ اسے زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔

”خوفناک ہنگامہ“ میں آپ کو ایک بار پھر آپ کے محبوب کردار انور اور رشیدہ میں گے۔ حمید نے تو اس بار کمال ہی کیا ہے۔ یقیناً اُس کی سنجیدگی آپ کو چونکا دے گی۔ فریدی کو اس بار ایک عجیب و غریب عورت سے مکر لیتا پڑی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یورپ کے تین نامور جاسوس فریڈیک، ٹھلاڑ اور گارسائیں سے فریدی کی مدد بھیڑ..... بھی ایک ہڈیوں کے پنجرے، عجیب و غریب چھٹلی اور دوسری دلچسپیاں آپ کو میں گی جن کے لئے ”جاسوسی دنیا“ مشہور ہے۔

ابن صفوہ

تمار خانہ

”لوسو میرے بھائیو!“ سرجنت حید نے ہاکٹ لگائی۔ ”یہ وہ سانپ ہے کہ پتھر پر پھن مارتا ہے تو پتھر را کھو جاتا ہے۔ پانی پر پھن مارتا ہے پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ آگ کھاتا ہے انگارے گھتا ہے۔ صندل دبپ میں پایا جاتا ہے۔ اسے آتش خور کرتے ہیں۔“

وہ ایک پیشہ در دوا فروش کی طرح اول فول بک رہا تھا۔ صرف پندرہ منٹ میں اس کے گرد اچھی خاصی بھیز لگ گئی تھی۔ اس نے کھنی اور چدمی ہوئی سفید نعلیٰ موچیں لگا رکھی تھیں میک اپ اتنا شامد ارتحا کر سر کے بال کھپڑی معلوم ہو رہے تھے۔ بہر حال وہ ایک انجھائی تک روست بوڑھے دوا فروش کے بھیں میں فٹ پاٹھ پر بجھ لگا رہا تھا۔ اس کے سامنے بہت سے مرجانوں میں مردہ اور زندہ سانپ تھے۔ ایک بڑے سے صندوق پر داؤں کی شیشیاں چھی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے کسی میں نقریٰ گولیاں تھیں اور کسی میں طلاٹی۔ اکٹھ میں کوئی سیال شے بھی تھی۔

یہ حرکت بھض اس کی افتادی طبع نہیں تھی۔ اس سرتजہ شاید زندگی میں پہلی بار ان پسند فریدی نے ایک اہم کام اس کے پرداز کیا تھا۔ اور وہ اس سے کسی تم کا مشورہ لئے بغیر اس کام کو سرانجام دینے کی کوشش میں مشغول تھا۔ پہلے فریدی نے وہ کیس اپنے عی لئے رکھا تھا لیکن اس دوران میں وہاں کچھ عجیب قسم کی وارداتیں ہوئی شروع ہو گئیں اور فریدی پہلا کیس حید کے پرداز کے

آن کے متعلق چھان میں میں مشغول ہو گیا۔

وہ واردا تسلی واقعی عجیب اور دشمنت ناک تھیں۔ شہر کے مختلف حصوں میں تم نو خیز اور خوبصورت لڑکوں کی لاشیں ملی تھیں جنہیں کسی وجہی درندے نے بڑی بے دردی سے مارڈا تھا۔ اسکے فریدی تقریباً ایک ہفتے سے پریشان تھا لیکن اُس خوفناک راز کی ایک کڑی بھی ہاتھ نہ لگی تھی۔ اس سے پہلے اُس کے پاس ایک بہت بڑے گروہ کا کیس تھا جو بہت ہی منظم طریقے پر شہر کے مختلف حصوں میں جواہکھلاتا تھا۔ لیکن ابھی تک اُس کا ایک رکن بھی گرفتار نہ ہوا تھا۔ دوسرا کیس اس سے بھی زیادہ اتم تھا اس نے پہلا کیس سرجنٹ حمید کے حصے میں آیا۔ حمید نے اسے سرانجام دینے کے سلسلے میں کافی لاٹ و گزار کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اُس نے دوران تعلیش میں کبھی فریدی کو ڈھنگ کی روپورث نہیں دی۔ نہ اُسے اپنے پروگرام ہی سے متعلق کچھ بتایا۔ شہر کے ایک حصے میں اُس نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا جہاں غریب طبقہ کے لوگ آباد تھے۔ اپنی دواؤں کا بکس اور سانپوں کے مرتبان وہ دہیں رکھا کرتا تھا۔

وہ تین دن سے اسی جگہ پر جمع لگا رہا تھا۔ اُسے دراصل تقریب کی ایک عمارت پر شبہ ہو گیا تھا۔ یہ شہر کی ایک مخصوص متہول طبقے کی تقریب گاہ تھی۔ یہاں صرف اُسی طبقے کے افراد شادی بیاہ یا دوسری تقاریب کے انتظامات معاوضہ لے کر کئے جاتے تھے۔ حمید متواتر تین دن سے دیکھ رہا تھا کہ وہاں دن اور رات ایک تقریب برپا رہتی تھی اور اُس میں حصہ لینے والے بھی زیادہ تر مختلف نہیں ہوا کرتے تھے۔ اُس طبقے کے رسم و رواج کے مطابق کوئی غیر اُس عمارت میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ حمید کا شبہ یقین کی حد تک پہنچتا جا رہا تھا کہ وہ جس عمارت کی ٹالاں میں ہے وہ سبی ہو سکتی ہے۔ وہ آج بھی صبح سے کئی بار یہاں جمع اکٹھا کر چکا تھا اور وہ اس وقت آخری مجھے کے سامنے اپنے بار بار دہراتے ہوئے جملے دہرا رہا تھا۔ ”اُس سانپ کی چربی کا کیا پوچھنا..... صاف صاف تعریف علاف تہذیب ہے۔“

اُس نے رک کر ایک شیشی اٹھائی اور جمع کو دکھا کر کہنے لگا۔ ”اُس میں آتش خور سانپ کی چربی اُپنی کوبرا کا لے سانپ کی چربی۔ ساغرے کی چربی، اود با کی پلٹی کا پتہ..... رو ہو چھل کا پتہ شامل ہے..... بکلی ہے بکلی..... نہ پان کی ضرورت نہ پتے کی حاجت..... نہ چھالاڑا تھا ہے نہ

آبلہ، پانچ منٹ میں اثر دکھاتا ہے۔ آزمائش کرو۔ اگر غلط لٹکے تو کل بین آ کر گریبان پکولیں۔ پندرہ دن آپ کے شہر میں قیام کروں گا۔ دلی، آگرہ، کانپور اور لکھنؤ ہوتا ہوا آپ کی شہر میں آیا ہوں اور آپ کے شہر سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اس طرح آپ کی خدمت بھی کروں گا اور مرشد کا حکم بھی بجا لاؤں گا۔“

پھر اُس نے دوا کی قیمت بتائی اور اُسکی اپنے گرگوں میں سے ایک نے سب سے پہلے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر پندرہ میں منٹ کی اندر اندر شمن کے صندوق پر چھپی ہوئی شیشیاں صاف ہو گئیں۔ اس دوران میں حید کی توجہ اُس عمارت کی طرف بھی مبذول ہوتی رہی تھی اور اُسے اُس میں داخل ہونے والوں میں شہر کا ایک مشہور جواری بھی دکھائی دیا تھا اور وہ اُس طبقے سے متعلق نہیں تھا۔ مجمع ختم کرنے کے بعد حید نے سامان سمینٹا شروع کیا۔ اس وقت اس کا ارادہ عارضی قیام گاہ کی طرف جانے کا نہیں تھا۔ اُس نے ایک تالگے پر سامان بار کرایا اور فرییدی کی کوشی کی طرف چل پڑا۔

ایک سائیکل سوار اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ حید نے پہلے تو اُس کی طرف دھیان نہیں دیا لیکن وہ ایک بار اُسے تالگے سے آگے نکلتے اور پھر رفارم کر کے تالگے کے پیچھے لگتے دیکھ کر کھنک گیا۔ حید اُس کا صورت آشنا تھا۔ اُس نے اسے اکثر اُس مشتبہ عمارت کے سامنے والے ریستوران میں دیکھا تھا۔

”بھائی۔“ اُس نے تالگے والے کو بلند آواز میں مخاطب کیا۔ ”شاید میں راستہ بھول رہا ہوں۔۔۔“

”کیوں..... آپ ہی نے تو.....!“

”ہاں ہاں“ حید اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”وہ جو کاک تاؤز ہے نا..... اُس کے سامنے والی سڑک پر پڑوں پہپ و الی گلی میں۔“

”مگر آپ.....!“ تالگے والے کے لمحے میں جلا ہٹ تھی۔ ”آپ نے تو.....!“

”میاں بگزو نہیں..... پر دیکی ہوں بھول ہوئی۔ چونی زیادہ لے لیتا۔“

تالگے والے بڑا تارہ۔ پھر اُس نے اگلی سڑک پر حید کی عارضی قیام گاہ کی طرف تاگندہ موڑ دیا۔ سائیکل سوار اب بھی تالگے کے پیچھے لگا ہوا تھا اور حید ایسا بے تعلق نظر آ رہا تھا جیسے کوئی

بات ہی نہ ہو۔ اُس نے جیب سے نسوار کی شیشی نکالی اور دو چکلیاں ناک کے دلوں تھننوں میں چڑھا گیا لیکن پھر اسے اپنی حمact پر افسوس ہونے لگا۔ وہ اس بھیس کے دوران میں اپنی جیب میں نسوار کی شیشی ضرور رکھتا تھا۔ لیکن آج تک استعمال کرنے کی ہست نہیں پڑی تھی۔ تھننوں میں جلن اور ناک میں تیز قسم کی سرراہٹ ہونے لگی لیکن وہ حتیٰ الامکان چھینک روکتے کی کوشش کر رہا تھا۔ پونک چھینکلیں شروع ہوتے ہی اندازی پن فوراً ظاہر ہو جاتا۔ اُس کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی کھال گوشت چھوڑ رہی ہو۔۔۔۔۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ بہر حال وہ چھینک تروک سکا۔ البتہ اُس کی کھانی میں چڈیل کرتے وقت جیب سے رومال نکال لیا پڑا اور پھر وہ تجھے اُس طرح کھانے لگا جیسے دورہ پڑا ہو۔ اس طرح طلق میں خراش ضرور آگئی لیکن ناک کی تکلیف وہ سرراہٹ سے نجات مل گئی۔

تعاقب برابر جاری رہا۔

حیدر ہائش گاہ پر پہنچ کر سامان اتارنے لگا اور تعاقب کرنے والا آگے بڑھ گیا۔ حیدر سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اب تو اُسے سو فصدی یقین ہو گیا تھا کہ اُس کی احتہ دلوں کی محنت بیکار نہیں گئی۔ اُس نے سوچا کہ فریبی کو فوراً اُس کی اطلاع دے دے لیکن دوسرے ہی لمحے میں خود نمائی کی جلت نے اُبھر کر اس خیال کا گاہ گھونٹ دیا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اکیلے ہی یہ صرکر کر کرے۔ اس طرح وہ فریبی کے اس خیال کا مٹکہ اڑاکے گا جس کی رو سے وہ عملی اعتبار سے نکلا تھا۔ حیدر اندھیرا چھینے کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی تھے کسی طرح عمارت میں ضرور داخل ہو گا۔ تجھے لگانے کے دوران میں اُس نے اس عمارت میں داخل ہونے کا طریقہ بھی دیکھ لیا تھا۔ آنے والے دربان کو دعویٰ کارڈ دکھا کر اندر داخل ہوتے تھے۔ حیدر نے اچھی طرح اندازہ لگایا تھا کہ وہ دراصل کسی تقریب کے دعویٰ کارڈ ہی کا ڈھونگ تھا۔ اسی طرح صرف انہیں لوگوں کی رسائی وہاں تک ہو سکتی تھی جو معتر تھے۔ یعنی وہ کارڈ ایسے ہی لوگوں میں تقسیم کے جاتے تھے جن کے متعلق اس کے گرد وہ کوپر اپورا اٹھینا تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر نہیں کریں گے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد حیدر پھر اُسی عمارت کی طرف واپس جا رہا تھا۔ لیکن اس بار اُس نے امیر اور باشون کی سی وضع اختیار کی تھی۔ پچھے دور چل کر اُس نے ٹکسی کی اور اُس عمارت

کے سامنے والے ریستوران کے قریب جا کر اتر۔ ریستوران میں بھیز کم تھی۔ البتہ باہر والا احص کچھ بھیجا ہوا تھا۔ حمید چائے خانے میں بھیس گیا۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کے قریب کی میز خالی تھی۔ وہ اسی پر جم گیا۔ یہاں سے اُس عمارت کا چھانک زیادہ دور نہیں تھا۔ حمید ارادہ کر کے ادھر نکل تو آیا تھا مگر عمارت میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر ابھی تک نہیں سمجھی تھی۔

وہ کافی دیر تک سختی چائے کی چسکیاں لیتا رہا تھا لیکن بے سود۔ عمارت میں داخل ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ کسی ویران جگہ پر ہوتی تو وہ دیواریں بھی پھلا لگ جاتا۔ اگر اس پر بھی بس نہ چلتا تو وہ نقاب زندگی کے امکانات پر غور کرتا تھا لیکن یہاں بھرے پرے بازار میں اُن کا خیال ہی احتمالات تھا۔

وہ دنیا و ماضیہا سے بے خبر چھانک کی طرف ٹکلٹکی لگائے بیٹھا تھا حتیٰ کہ وہ اُس نامعلوم آدمی کے وجود سے بھی بے خبر تھا جو اُس کی قیام گاہ سے اُس کے پیچے لگا ہوا یہاں تک چلا آیا تھا۔ وہ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا لیکن یہ وہ آدمی نہیں تھا جس نے آج شام کو اُس کا تعاقب اُس کی قیام گاہ تک کیا تھا۔

دفعتاً حمید کو اس عمارت کے چھانک پر دو آدمی دکھائی دیئے۔ دونوں نے اپنے جیبوں سے کارڈ نکالے تھے لیکن ایک نے پھر اپنا کارڈ جیب میں رکھ لیا۔ اُس کا ساتھی تو اندر چلا گیا مگر اس کا رخ ریستوران کی طرف تھا۔ پھر حمید نے اُسے بارہ والے حصے میں داخل ہوتے دیکھا۔ حمید نے جلدی جلدی چائے ختم کی مل ادا کیا اور ریستوران سے باہر نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں ایک تدبیر ابھر تو آئی تھی لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ بارہ میں جائے یا نہ جائے۔

اُس آدمی نے اندر پہنچ کر ادھر ادھر نظر ڈالی اور سیدھا پیشاب خانوں کی طرف چلا گیا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس حصے میں جہاں پیشاب خانے تھے اندر ہمرا تھا۔ البتہ پیشاب خانوں کے اندر وہندلی روشنی تھی۔ حمید دبے پاؤں اُسی لیٹرین میں داخل ہو گیا جس میں وہ آدمی گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس کا ایک ہاتھ اسکے منہ پر تھا اور دوسرا اُس کی گردان دبارہ تھا۔ پھر اُس نے اُس کا سرد دیوار سے ٹکرایا۔ وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

پھر حمید نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس کے کوٹ کے اندر وہی جیب میں ہاتھ ڈالا کارہ

موجود تھا۔ اُس نے اُسے اپنی جیب میں ڈالا اور بے ہوش آدمی پر اچھتی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔
دہاں سے وہ ایک دوسرے ریستوران میں پہنچا اور بیرے کو کافی کا آرڈر دیتا ہوا ایک خالی
کیبن میں نکس گیا۔ قیام گاہ سے یہاں تک تھا کرنے والا اب بھی اُس کے پیچے لگا ہوا تھا۔
لیکن وہ کسی کیبن میں بیٹھنے کی بجائے کھلے ہال ہی میں بیٹھ گیا تھا۔

حید نے کارڈ نکالا۔ اُس میں کسی جشید ہی نے رسم ہی کو اپنے بینے کی شادی کے سلسلے
میں مدعو کیا تھا۔ حید نے ممکن خیز انداز میں سر ہلا کر کارڈ پھر جیب میں رکھ لیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ رسم ہی کا روول ادا کرے گا اور اُسے اس بات کی ذرہ برابر بھی
پرواہ نہ تھی کہ اُس آدمی کے ہوش میں آنے پر اُس کی اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا۔ بس اُس
کے سر پر اُس عمارت میں داخل ہونے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔
اس نے گرم گرم کافی طلق میں انٹر بلنی شروع کر دی۔

پھر کچھ دیر بعد وہ عمارت کے چھانک پر کھڑا دربان کو کارڈ دکھا رہا تھا اور اُس کا تھاقب
کرنے والا اپنی موڑ سائیکل اسارت کر رہا تھا۔ اور حید نے عمارت میں قدم رکھا اور وہ کسی
طرف روانہ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ہیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔

حید ایک کافی وسیع ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں چاروں طرف بے شمار چھوٹی چھوٹی
میزیں پڑی ہوئی تھیں اور اعلیٰ پیانا نے پر مختلف قسم کا جوا ہو رہا تھا۔ حید نے انجام سے بے پرواہ
ہو کر دل ہنی دل میں ایک زور دار قیچہ لگایا کہ اس بار فریبی کو اس کی ذہانت کا قائل ہونا ہی
پڑے گا۔

اندر چکنچنے پر ایک آدمی نے پھر اس کا کارڈ دیکھا اور بلند آواز میں ”رسم ہی“ کی ہاک
لگائی اور پھر ایک طرف اشارہ کر کے آہستہ سے بوالا۔

”میز نمبر انٹھا بیس.....!“

حید اُس میز کی طرف بڑھا۔ اُس پر تین آدمی تھے اور چوچی کری خالی تھی۔ اُسی میز کا ایک
آدمی اُسے تھیر آمیز نظروں سے گھوڑا رہا تھا۔ حید کو اطمینان تھا کہ وہ جو اکھیل سکے گا۔ کیونکہ وہ پہلے
ہی سے اُس کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔

وہ خالی کر کی پر بیٹھنے لی جا رہا تھا کہ وہ آدمی کھڑا ہو گیا جو اسے گھور رہا تھا۔

”آپ کی تعریف.....؟“

”رسم جی.....؟“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔ لیکن دوسراے ہی لمحے میں اسے کسی نئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ وہ اسے پچھان رہا تھا۔ یہ آدمی وہی تھا جو رسم جی کے ساتھ تھا۔

”باپ کا نام.....؟“

”کیوں.....؟“ حمید اسے گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ آدمی پس کر بولا۔ ”میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔“

پھر وہ انھکر کہیں چلا گیا۔ اس میز کے بیچے دو آدمی نشے میں نہی طرح دھت تھے۔

”اویٰ چلی گیا۔“ ان میں سے ایک منہ میں انکوٹھاڑاں کر بولا۔ ”ہم بھی جائیں گا۔“

”نہیں جانی تم بیٹھے گا۔“ دوسرا اس کے کانہ سے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”ہم تمہارا جورو کا

بھائی ہے۔“

”نہیں ہام تمہارا جورو کا بھائی ہے۔“ پہلے نے کہا۔

”ہات سالا ہم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔“ دوسرا قہقہہ لگا کر بولا۔

”کیوں بابا.....؟“ پہلے نے حمید سے پوچھا۔

”تمہاری جورو.....؟“ حمید بھتناہٹ میں گالی بکتے بکتے رہ گیا۔ اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ آن دونوں میں کافی دچپی لیتا۔ مگر فی الحال تو اس کا ذہن انھکر جانے والے میں الجھ کر رہا گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے شہر ہو گیا ہے۔

”ہاں ہاں..... ہمارا جورو بڑا جور دار ہے۔“ وہ حمید کے کانہ سے پر ہاتھ رکھ کر اس کی

آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم بھی ابھی لوٹا ہے۔ ہمارا جورو تم کو آم کاماںک.....؟“

حمدید اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے قہقہہ لگایا۔

”ڈر گیا ڈر گیا.....؟“ دوسرا ہالیاں بجا کر چینا۔ ”پچھے ہے..... چھوڑا ہے..... ناہ..... ناہ۔“

حمدید پھر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ رسم جی کا ساتھی نہ جانے

کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اگر وہ باہر گیا تھا تو حمید کا راز فاش ہونے میں دریں لگے گی۔ وہ یقیناً اسے فاش کرنے کے لئے بار میں جائے گا۔ وہ دونوں ساتھی آئے تھے۔ اس نے رسم جی نے اسے وقتی علیحدگی کے متعلق ضرور بتایا ہو گا۔ ممکن ہے اس نے اس سے کہا ہو کر وہ دو ایک پیگ پی کر واپس آجائے گا۔

”کیوں پیٹا ہوتی ہے؟“ ان میں سے ایک حمید کے منہ کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

”ہوتی ہے۔“ حمید نے تاش کی گذی اٹھا کر میز پر پڑھ دی۔

انتہے میں ایک اور آدمی آ کر خالی کری پر پیٹھے گیا۔ یہ پست قد مر گھٹپیلے جسم کا آدمی تھا۔ چہرہ لمبورٹہ اور مخملکہ خیز تھا۔ چہرے کی مناسبت سے ناک بہت چھوٹی تھی کان دیکھ کر حمید کو خپر کے کان یاد آگئے۔

”آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی دیئے۔“ اُس نے حمید سے کہا۔

”میں باہر چلا گیا تھا۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”چھپلی بار.....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک کر اپنی داہنی آنکھ ملنے لگا پھر بولا۔ ”ذراد کیختے کچھ پڑ گیا ہے۔“

حمد اُس کی آنکھ میں دیکھنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُس کے جزو۔ کی ہڈیاں کوڑا اگس اور وہ کری سے اچھل کر دیوار سے جاگریا۔ قبل اس کے کہ وہ سنجلا لمبورتے چہرے والے نے اُس کا گریبان پکڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔ اس بار اُس کی داہنی کپٹی پر گھونسا پڑا اور زمین پر گرتے ہی اُس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک ٹھوکر بھی محسوس کی۔ پھر وہ دستی ہال اپنے ساز و سامان سمیت تیزی سے گردش کرنے لگا۔ فانوس کی شنڈی روشنی آگ اگلتے گئی اور پھر..... تار کی کی کھبری چادر نے اسے اندر ہمروں میں سلا دیا۔

درندگی

وہ نہ جانے کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ پھر ہوش میں آتے ہی اُس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا جو بڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔ جبڑے اور داہنی آنکھ پر درم آگیا تھا۔ پیٹھے بھی بُری

طرح دکھری تھی۔ وہ کراہ کر اٹھا اور دیوار سے نیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی تک آنکھوں کے سامنے بلکی بکلی دھنڈ چھائی ہوتی تھی۔

تحوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں قید ہے۔ کافوں کی سنتناہٹ ختم ہوتے ہی اسے کمرے کے باہر شور سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے کریاں اور میز سی نوٹ رہی ہوں۔ لوگ ایک دوسرے پر گردے ہوں۔ بہر حال توڑ پھوڑ کی آواز اور لوگوں کی چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا اور اسے دنوں ہاتھوں سے پینٹے لگا۔ یہ اس کا قطعی احتصاری فعل تھا۔ پھر جیسے جیسے اس کا ذہن صاف ہوتا گیا اس کے ہاتھ رکتے گئے۔ اول تو اس شور و شغب میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی اور پھر دروازہ پینٹے سے کیا حاصل۔ بہر حال اسے اپنی حماقت پر افسوس ہوا رہا تھا کہ اس نے فریدی کا مشورہ لئے بغیر یہ حرکت کیوں کردا ہے۔

پھر وہ باہر کے شور کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر یہ شور کس قسم کا تھا۔

دھنکا کسی نے اس کمرے کے دروازے پر ٹھوکر ماری اور حمید چونک کر چکھے ہٹ گیا۔ دروازے پر متواتر ضربیں پڑ رہی تھیں۔ تحوڑی دیر بعد چڑپا ہٹ سنائی دی اور دروازہ نوٹ کر زمین پر آ رہا۔ حمید اگر بکلی کی سرعت کے ساتھ ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس کا زخم ہو جانا یقینی تھا۔

اور پھر اس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ یہ پولیس والے تھے۔

”حضرت مل گئے۔“ انکھڑ جلد لیش چینا۔

حمد نوٹے ہوئے دروازے پر سے جست لگا کر باہر نکل آیا۔ انکھڑ فریدی ایک میز پر کھڑا گرفتار شد گان کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید اس کی طرف دھیان دیے بغیر پکارے جانے والوں کی بھیز میں گھستا چلا گیا۔ وہ اس لمبڑتے چہرے والے کو تلاش کرتا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

پھر کسی نے اس کے کانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا۔ فریدی طنز یہ انداز میں مگر اس رہا تھا۔

”بہت اچھے۔“ اُس نے کہا۔ ”خاصے کارڈن لگ رہے ہو۔“

حمد جیس پر بغلیں جھائکنے لگا۔

”اوپر بھی دیکھ لیں۔“ فریدی نے کوتولی انچارج جگد لش سے کہا۔

پھر وہ تینوں کچھ کاشیلوں کے ساتھ اوپری منزل میں چلے گئے۔ فریدی قطعی خاموش تھا۔

اُس نے پھر حمید سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ گھر جنپتی ہی شامت آجائے گی۔ اور اپر کے بیتھے کمرے مقلع تھے۔

سارے قفل ایک ایک کر کے توڑے جانے لگے۔ ایک کرے میں ایک خوبصورت اور نوجوان گورت ملی جس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ بے تحاشہ روپڑی۔ استفسار پر اُس نے بتایا کہ تین دن قبل سینما سے واپسی پر چند بدمعاشوں نے اُسے پکڑا تھا اور اُس سے ایک کثیر رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ شہر کے ایک بہت بڑے تاجر کی بیوہ تھی۔ حمید نے اُسے رسیوں سے آزاد کرتے وقت محسوں کیا کہ وہ بخار سے بھجن رہی ہے۔

اُسے فوراً ہمپتال بھجوانے کا انتظام کیا گیا۔ وہ تو اپنے گھر جانے پر سفر تھی لیکن باقاعدہ بیان لیے بغیر یہ چیز ناممکن تھی۔

اُس کی سرخ سرخ نشانی آنکھیں دیر لمح حمید کے ذہن پر چھائی رہیں لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ وہ لمبتوترے چہرے والے کے لئے بھی بے چین تھا۔ حمید کو اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح دھوکے میں رکھ کر اُس پر حملہ کر دے گا۔ ورنہ شاید وہ اس بُری طرح مارنے کھانا اور اب رہ رہ کر اُس کا خون جوش مار رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت مل جاتا تو وہ اُس کی بوٹیاں اڑادیتا۔ اُس کا ذہن اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے فریدی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ یک یک یہاں پہنچ کرے گیا۔

”کیا تم کسی کی تلاش کر رہے ہو.....؟“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔

”ہاں مجھے ایک لمبتوترے چہرے والے کی تلاش ہے۔“ حمید دانت چیس کر بولا۔

”وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔“ فریدی نے کہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کیا اُسی نے

تمہاری یہ درگست بنائی ہے؟"

"بس زیادہ تاؤ نہ دلائیے مجھے۔" حمید بڑا ایسا۔

"خیر خیر.....!" فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظریں کاریڈور میں پڑے ہوئے کپڑوں کے ایک ڈھیر پر جم کر رہے گئیں تھیں۔ ایک کاشیبل نے آگے بڑھ کر اُسے جیر سے سر کایا۔ اور پھر ان سب کے منہ سے چینیں نکل گئیں۔

یہ ایک خوبصورت اور تند رست لڑکے کی لاش تھی جسے بڑی درندگی کے ساتھ تو چاگیا تھا۔ فریدی بے ساختہ اُس پر جگ پڑا۔ تھوڑی دیر تک بغور اُسے دیکھا رہا پھر سراخا کر آہستہ سے بولا۔ "حمید اب مجھے تمہاری اس حفاظت پر ذرہ برابر بھی افسوس نہیں۔"

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جکلہیں اور اُس کے ساتھیوں کے ہونٹ خلک ہو گئے تھے شہر میں یہ ایک ہی نوعیت کی پانچویں لاش تھی۔ اس سے پہلے والی لاشیں کسی مکان یا پوشیدہ جگہ سے برآمد نہیں ہوئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے محب شیشہ نکالا اور دیر تک لاش کو اٹ پلٹ کر دیکھا رہا۔ پھر زمین سے اٹھتا ہوا بولا۔ "کوئی نشان نہیں..... لاش انہوادو۔"

پولیس نے ایک لاکھ پچھن ہزار روپے اپنے قبضے میں کیے اور تہتر قیدیوں کو لاریوں میں بھر کر کوتولی کی طرف روانہ ہو گئی۔

فریدی خاموش تھا۔ حمید سمجھا تھا کہ تمہائی نصیب ہوتے ہی اُسے نہ جانی کتنی کڑی کیلی باتیں حق سے اتنا نہیں گی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کچھ نہیں بولا۔ تقریباً بارہ بجے رات کو کوتولی سے فرصت ملی۔ اُس عورت کا بیان قلم بند کرنا دوسرا صحیح لٹک کے لئے ملتی کر دیا گیا۔ فریدی کا خیال تھا کہ بخار کی شدت کی وجہ سے اُس کا دماغ قابو میں نہ ہو گا۔

ایک بجے وہ دونوں گھر پہنچے۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔ حمید کو الجھن ہونے لگی۔

"آپ دہاں پہنچے کس طرح تھے؟" حمید نے اُس کی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اُس اڑے سے واقع نہیں تھا۔" فریدی نے چیلکی مسکراہٹ کے

ساتھ کہا۔

”تو کیا آپ کو میری گرفتاری کی اطلاع ہو گئی تھی۔“

”نہیں..... لیکن تم نے اندر داخل ہونے۔ لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا اُس کی اطلاع

ملتے ہی میں چل پڑا تھا۔“

حیدر اسے پر خیال نظر وہ سے دیکھتا رہا۔ فریدی تھوڑے توقف کے بعد پھر بولا۔ ”وہاں آن کے جانے پہچانے آدمی ہی داخل ہوتے ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ تم پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور نہ ازدھ ہو گی۔“

”لیکن آپ کو اطلاع کیسے ملی تھی؟“

”میں تمہاری طرف سے بے خبر نہیں تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ برادر لگا رہتا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم نہ جانے کہاں ہوتے۔“

”جب آپ پہلے ہی سے اُس اڑے سے واقف تھے تو آپ نے کوئی کارروائی کیوں نہیں کی؟“ حیدر جھنجلا کر بولا۔ ”خواہ تو وہ مجھے اس طرح ذلیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”اچھا تھی.....!“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”میں نے کچھ کہا نہیں تو آپ شیر ہو رہے ہیں۔“

”بنا یے نا آخر..... یہ کوئی تصوف کا مسئلہ تو تھا نہیں۔“

”میں اُس گروہ کے سراغنہ کے چکر میں ہوں۔ جس کی شخصیت آج تک پرده راز میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ جتنے لوگ پکلے گئے ہیں ان میں سے ایک کا بھی تعلق اُس گروہ سے نہ ہو گا۔ گروہ والے سب نکل گئے۔ یہ تو بے چارے بد نصیب کھلاڑی تھے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔

”مجھے افسوس ہے کہ وہ لمبتوترے چہرے والا نکل گیا۔“ حیدر نے کہا۔

”پھر سکی۔“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ”اب تو تم مار دھاڑ اور سراغ رسانی پر آمدہ ہی ہو گئے ہو خیر تم میں زندگی تو پیدا ہوئی لیکن نہیں ابھی کوئی عورت مل جائے..... پھر تم ایک کچھے کی طرح حصیر ہو جاؤ گے۔“

”مگر ایے نہیں۔“ حید بدل کر بولا۔ ”اگر کسی کے ریواور کا نشانہ نہ بنا تو دیوار سے سرکرا کر جان دے دوں گا۔“

”اب خود ہی عورتوں کی طرح بولنے لگے۔“

حید نے پیزاری سے منہ پھیر لیا۔ اس کی چونچ مرمی طرح دکھری تھیں اور آج رات خند آنے کے امکانات نظر نہیں آرہے تھے۔ اس لئے وہ گنگلو کو طول دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن فریدی نے ایسا مسئلہ پھیٹ دیا..... کہ قہر درویش پر جان درویش کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ بہر حال وہ اس موضوع کو ختم ہی کر دیتا چاہتا تھا۔

”ایک بات بھوٹ میں نہیں آتی۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کیا.....؟“

”جو لوگ بلا کسی خوف و خطر ان لاشوں کو پیلک مقامات پر لا سکتے ہیں وہ انہیں کسی دیرانے میں لے جا کر دفن بھی کر سکتے ہیں۔“

”یقیناً.....!“

”پھر آخر وہ انہیں شہر میں پھیلنے کا خطرہ کیوں مول لیتے ہیں؟“

”ڈھنگ کا سوال ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ ان میں سے اکثر قتل دیران مقامات ہی پر ہوئے ہیں لیکن لاشوں کو شہر میں لا ڈالا گیا ہے اور اس وقت جو لاش ملی ہے وہ بھی کہیں سے لائی ہی گئی ہے۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟“

”اگر آنکھیں کھلی رکھو تو اتنے بچکا نے سوالات پڑھ کرنے پڑیں۔“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”اس عمارت میں ہمیں کسی جگہ اتنی مقدار میں خون نہیں ملا کہ ہم ایسا سوچ سکیں۔ خود لاش کے نیچے خون کے معمولی دھبے ملے ہیں لاش پر پائے جانے والے کپڑوں کے ڈمیر میں بھی خون نہیں تھا۔“

حید خاموش ہو گیا۔ بات بالکل سامنے کی تھی لیکن وہ باتوں کی رو میں ایک احتفاظہ سوال کر بیٹھا تھا۔ بہر حال وہ اب بھی فریدی کی طرف جواب طلب نظر وہ سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا پہلا سوال یقیناً دلچسپ تھا۔" فریدی پھر بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ لاشوں کو بآسانی ذہن بھی کیا جاسکتا تھا یا پھر اس کے لئے کڑبھی استعمال کی جاسکتے تھے آخر مجرم اپنے جرام کو منظر عام پر کیوں لا رہا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"عقلی گداسن کر کیا کرو گے۔ جو کچھ بھی کہوں گا اس کے لئے فی الحال کوئی منطقی دلیل نہ پیش کر سکوں گا۔ ویسے میری دانست میں مجرم کوئی انتہا پسند قسم کا اذیت کوش (sadist) ہے۔ وہ حصول لذت کے لئے محض مارڈا ناہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ لاشوں کے ذریعہ شہر میں سننی پھیلا کر اس سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجرم کا جنسی جنون وحشیانہ پین کی حد تک پہنچ گیا ہے۔"

"قطی..... ہمیں ابھی تک بتتی بھی لاشیں ملی ہیں وہ کم عمر لاکوں کی ہیں کسی کی عمر پندرہ سو لے سے زیادہ کی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ ویسے حقیقت خدا ہی جانے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہو۔"

"لیکن میں پھر کہوں گا کہ آخر لاشوں کو منظر عام پر ڈالنے کا کیا مقدمہ ہو سکتا ہے؟"

"اذیت پسندی کی انتہا۔" فریدی بولا۔ "مجرم لاش کے وارثوں کی گریہ وزاری اور پلک کی خوفزدگی سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ اذیت پسندی کی درجنوں قسمیں ہیں اور شاید ہم انتہائی قسم سے دوچار ہیں۔ اس حد تک پہنچنے کے بعد اکثر جنونی اپنی بویاں تک نوجہ ڈالتے ہیں۔"

حمدی خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

"آپ نے کہا تھا کہ قتل کی ویرانے ہی میں ہوئے ہیں۔"

فریدی نے سر کو خفیہ سی جنبش دی کر کہا۔ "دو ہفتے کو جو لاش ملی تھی اس کے متعلق حقیقتات کرنے پر میں نے بھی اندازہ لگایا ہے۔ وہ افغان کالج میں پڑھتا تھا اور اتوار کو دس پندرہ لاکوں کی نویلی کے ساتھ پلٹک پر جھریاں گیا تھا۔ واپسی پر وہ ان سے الگ ہو گیا۔ اس نے ان سے کہا تھا کہ وہ قریب کے ایک گاؤں میں اپنے کسی عزیز سے ملنے کے لئے جا رہا ہے۔ میں اس لئے کے والدین سے ملا۔ انہوں نے بتایا کہ اُس گاؤں میں ان کا کوئی عزیز نہیں تھا۔ شہر میں حقیقتات

کرنے کے بعد میں جھریاں کی طرف گیا۔ پھر اس گاؤں میں بھی چلا گیا۔ وہاں تنتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس محل و شاہت کے لئے کوئی نہ دہا نہیں دیکھا تھا۔ میں پھر جھریاں لوٹ آیا۔ فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”تم نے کبھی جھریاں کی پہاڑیوں کی سیر کی ہے؟“

حید نے تنی میں سر ہلا دیا۔

”دچپ چک ہے۔ مگر پلک پر جانے والے انہیں عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میں بھی اس سے پہلے کبھی ان پہاڑیوں پر نہیں چڑھا تھا۔ باہر سے تو وہ بالکل خلک اور بے جان پھروں کی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے درمیان میں بڑی ہریاں ہے۔“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ حید سونپنے لگا کہ شاید فریدی پر نیند نے جملہ کیا ہے تبھی وہ موضوع سے بچک رہا ہے۔ قل کی بات کرتے کرتے پہاڑیوں کی ہریاں پر آ گیا۔ لیکن اس نے اسے ٹوکا نہیں۔ بعض اوقات اسے سچ چھ فریدی پر رحم آنے لگتا تھا۔ پس ہر وقت کام کی دھن۔ کبھی کبھی کھانا پینا تک بھول جاتا تھا اور فرصت کے اوقات میں یا تو مطالعہ یا کتوں اور دوسرا سے جانوروں کی دیکھ بھال یا پھر کسی نے کیمیاوی تجربے کا چکر۔ حید کے خیال کے مطابق وہ ایک مظلوم آدمی تھا جو خود پر ظلم کر رہا تھا۔ اپنی جنسیت کو بے دردی سے کچل رہا تھا۔ حید سچ رہا تھا کہ کیا واقعی اسے کبھی عورت کا پیار نصیب نہ ہو سکے گا۔ عورت کے خیال پر اس کے ذہن نے اس عورت کی طرف جست لگائی جو اسے عمارت میں ملی تھی۔ کتنی حسین تھی وہ۔ پھر یہ ایک اسے لمبورتے چہرے والا یاد آ گیا اور اس کا خون کھولنے لگا۔

”یہ متحیاں کیوں بچھ رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اوی.....!“ حید چوک پڑا۔ ”کچھ نہیں..... ہاں تو ان پہاڑیوں پر بڑی ہریاں ہے۔“

”تم الوہو۔“ فریدی بس پڑا۔ ”تمہیں اس لمبورتے چہرے والے پر غصہ آ رہا ہے۔“

”نہیں تو۔“ حید کھلائی بس کے ساتھ بولا۔ ”آپ اپنی تحقیقات کے متعلق بتا رہے تھے۔“

”کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی نے سمجھ دی گئی سے کہا۔ ”میں نے ان پہاڑیوں میں ایک

چک خون کے بڑے بڑے دیکھے تھے۔ کچھ کپڑوں کے چیخڑے بھی۔ ان میں سے ایک دھی

متول کی قمیش کی بھی ثابت ہوئی۔ ایک انگوٹھی ملی جسے متول کے والدین نے شاخت کر لیا کہ وہ اُسی کی تھی اور بس! لیکن جرم! وہ ابھی تک پر پڑ راز ہی میں ہے۔“
فریدی انھے کہ شلنے لگا۔ حید اُسے تحریر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ناکام تفہیش

دوسرے دن صبح حید فریدی کو بتائے بغیر ہسپتال پہنچ گیا۔ انکر جلد لیش اُس عورت کا بیان لے رہا تھا۔ حید کو دیکھتے ہی سختی خیز انداز میں مسکرا یا۔ وہ بھی اُس کی حسن پرست طبیعت سے بخوبی واقف تھا۔

”ہمارے سراغ رساں حید صاحب۔“ جلد لیش نے کہا۔ ”جچ پوچھئے تو آپ انہیں کی بدولت رہا ہوئی ہیں۔“

حید جلد لیش کی بات اڑا کر اس سے اُس کی خبریت پوچھنے لگا۔

”میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔“ عورت مسکرا کر بولی۔ ”میں اب گھر جانا چاہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ حید نے کہا۔ ”آپ جب چاہیں جا سکتی ہیں۔“ پھر وہ جلد لیش کی طرف مڑکر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں نے غلط نہیں کہا۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بیان لے چکا ہوں۔“ جلد لیش نے کہا۔

ڈاکٹر نے بھی اجازت دے دی کیونکہ بخار رات ہی میں اتر گیا تھا اور کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں تھی جس کی بناء پر اُسے ہسپتال میں روکا جاتا۔

”میں آپ کو گھر تک پہنچا دوں گا۔“ حید نے کہا۔

”بڑی مہربانی..... آپ کا احسان۔“ وہ دفعتا خاموش ہو گئی۔ اُس کی نظریں دروازے کی

طرف اٹھ گئی تھیں۔ انپکڑ فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا ہوا آن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”انپکڑ فریدی صاحب۔“ جگد لیش احر اما احتا ہوا بولا۔ ”آپ لیڈی جہاں گیر عادل جی۔“

”میں جانتا ہوں۔“ فریدی جگد لیش کی بوکھلا ہست سے لطف اندوڑ ہوتا ہوا بولا۔ ”چھپلی رات میں بھی موجود تھا۔“

”اوہ..... ہی..... ہی.....!“ جگد لیش احتقوں کی طرح بننے لگا۔

”غائب آپ جا رہی ہیں۔“ فریدی لیڈی جہاں گیر کی طرف مڑ کر بولا۔ وہ چوک پڑی۔

فریدی کو بڑی انہاک سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ بد بدانے لگا۔

اس وقت فریدی بہت نجی رہا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کے سرخ کے سوت میں اُس کا چہرہ بڑا

حسم معلوم ہو رہا تھا۔

”جی ہاں..... میں جا رہی ہوں۔“ لیڈی جہاں گیر اپنے خلک ہوتوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

”بہتر ہے۔“ فریدی نے جگد لیش کو مجاہد کیا۔ ”ایک کاشیل آپ کے ساتھ کر دو۔“

”وہ تو.....!“ مید کی بات ہوتوں ہی میں رہ گئی کیونکہ فریدی اُسے گھور رہا تھا۔

لیڈی جہاں گیر ایک بار پھر ان سب کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی گئی۔

”نام تم۔“ حمید نے جگد لیش کو مجاہد کیا۔ ”پھر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔“

جگد لیش ہنسنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لا لیا۔

”وہ کس قسم کا پتھر تھا حمید صاحب جس سے ٹکرانے کے بعد تم کارٹون بن گئے۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”وہ پتھر.....!“ حمید دانت پیس کر رہا گیا۔

فریدی ہنس رہا تھا۔

”خدا کی قسم! آپ اس مجرم سے زیادہ اذیت پسند ہیں۔“

”آختم اس کے ساتھ جا کر کرتے کیا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”اُس کا گریبان پکڑ کر آپ کے لئے دعائے خیر کرتا۔“ حمید جھلا کر بولا۔

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ ”کیا تم نے صح آئینہ نہیں دیکھا؟“

حید اسے گھوڑنے لگا۔

”مطلوب یہ کہ اس نوئی پھوٹی صورت میں تمہیں اس کے سامنے آنا ہی نہ چاہئے تھا۔“

فریدی نے پھر چکلی لی۔

اس بار حید بھنا کر پلت پڑا۔ ”آپ کیوں دوڑے آئے تھے؟“

”تمہیں اپنے نوئے پھوٹے چہرے کی مرمت کرنے کا مشورہ دینے کے لئے۔“ فریدی

نے کہا اور اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔

حید منہ بنائے فٹ پاتاخ پر کھڑا ہی رہا۔

”کیوں.....؟“ فریدی نے اسے سوالی انداز میں دیکھا۔

”میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔“

”یعنی.....؟“

”میں قبیل از وقت کچھ نہیں بتا سکتا۔“ حید ہوت سکوڑ کر بولا۔

”اوہ.....!“ فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ ”اور اس بار تمہاری بندیاں سرمد ہو جائیں گی۔“

”خدا کی تم تاؤ نہ دلائیے ورنہ شہر کی ہر لمبترے چہرے کو پوکوڑ بنا دوں گا۔“

”شباش..... اور پھر میرے ہی ہاتھوں جام شہادت بھی نوش فرمائے گے۔“

”آپ نہ جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں۔“ حید نے بُر اسامنہ بنایا۔ ”وہ تو کہنے میں بھی شریف

ہی آدمی ہوں اگر کوئی ڈاکو دا کو ہوتا تو دیکھتا آپ کی ذہانت۔“

فریدی نے قہقہہ لگا کر اسے کیڈی میں کھینچ لیا اور پھر وہ سڑک پر فرانے پھرنے لگی۔

”بیٹھے حید خاں..... تمہیں جہنم رسید کرنے کے لئے بُس ایک عورت کافی ہوتی۔“

”تو جلدی سے جہنم رسید کر دیجئے نا مجھے۔ اُس نے کئی ماہ سے آپ کے نظریاتی جہنم کی

شکل بھی نہیں دیکھی۔“

”یار حید.....!“ فریدی بخیگی سے بولا۔ ”کسی وقت تو عورت کی طرف سے خالی اللہ، ن

ہو جایا کرو۔ مجھے ذر ہے کہ کہیں تو بھی جنسی جنون کا شکار نہ ہو جاؤ۔“

حید نے جواب میں غالب کا شعر پڑھ دیا۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست نام

کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

"اچھا تو کیا میں آپ کو لٹکیاں پلاٹی کروں؟" فریدی ہوت کوئی سکونت کر بولا۔

"لا جوں والا قوت..... پلاٹی بڑا گندہ لفظ ہے۔ آخر آپ جیسے عالی دماغ کو یہ لفظ سو جھا کیے؟"

"جو شعر تم نے پڑھا ہے فی الحال اس سے تو یہی مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے۔"

"آپ خلط کچھے میرا مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ لینڈی جہاں گیر سے اس تفیش میں مدد لیں۔"

"وہ کس طرح؟"

"بس یونہی! ملنے ملانے سے بہتری را ہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"بکومت.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اس نے پر خیال

انداز میں کہا۔ "وہ ایک آوارہ عورت ہے۔"

"آپ کی نظروں میں تو دنیا کی ہر عورت آوارہ ہے۔" حمید طنزی بجھے میں بولا۔

"میں خلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ وہ تین چار دن سے غائب تھی۔ لیکن کسی نے خبر نہیں لی۔"

"ممکن ہے اس کے گھر پر کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔"

"ملاز میں تو ہوں گے یہی۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ دو دو تین تین دن گھر سے غائب

رہنے کی عادی نہ ہوتی تو نوپلیں تک اس کی گم شدگی کی روپورت ضرور پہنچ گئی ہوتی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوتی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ بھی تو کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے

ہیں۔ تو کیا آپ بھی آوارہ ہیں اور آپ کا بھی کوئی ملازم آپ کی گشتدگی کی روپورت نہیں

کرتا۔..... ہائے ہائے کاش آپ بھی کوئی بلوغہ ہوتے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر بڑا نے لگا۔ "میں صرف ایک وجہ

سے خدا کے وجود کا قائل ہوں کہ اس نے نر کے ساتھ مادہ بھی پیدا کی ہے۔ اس طرح زندگی کی

خواہش جانداروں میں برقرار رہتی ہے ورنہ..... خود کشی کی دبایاں ہوتی۔"

فریدی مسکرا رہا تھا۔ شاید وہ بھی تفریخی باتوں کے موڈ میں آگیا تھا۔

"اچھا اگر مادہ نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔" اس نے کہا۔

”مرغیوں کی طرح آپ بھی ااغے دیتے۔“

”مگر ااغوں کے لئے مرغ بھی ضروری ہے۔“

”اس صورت میں کوئی اور انتظام ہوتا۔“ حمید نے کہا۔ ”مثلاً زندگی میں کوئی ایسا اعصابی نظام رکھا جاتا کہ وہ درختوں کی طرح خود ہی زراور مادہ دنوں ہوتا۔ مرد ااغے دیتا جتاب۔ فرض کبھی کوئی ایشیا کے عظیم سراغ رسائی سے ملنے کے لئے آیا اور فریدی صاحب نے اندر سے کہلوا دیا۔ معاف کبھی گا میں اس وقت ااغے دے رہا ہوں یا ااغوں پر بیٹھا ہوں۔ آج کے ایکسوں دن تشریف لا یے گا اور پھر اگر انہر حمید نے چھیڑ دیا تو گروگڑا کر پھول گئے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”خدا کی قسم بڑا مزہ آتا۔“ حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ ”دفتروں میں اسی قسم کی عرضیاں موصول ہوتی..... جتاب عالی..... گذارش ہے کہ مجھے انہروں پر بیٹھنا ہے اس لئے ایکس دن کی رخصت فرمائی جائے۔“

”تب تو تمہیں روز ہی انہروں پر بیٹھنا پڑتا۔“ فریدی نے نفس کر کہا۔

”منہیں میں اپنے اور آپ کے انہروں کی تجارت کرتا۔“ حمید بولا۔ ”اور سننے..... فرض کبھی آپ کسی ضرورت سے ڈی۔ آئی۔ جی سے ملتا چاہتے ہیں اُس کے کمرے کے سامنے پہنچے لیکن چپ اسی درمیان میں ہائی ہو کر آہستہ سے بولا۔ صاحب ااغے دے رہے رہے ہیں۔ جہاں ملک کی آبادی بڑھنی شروع ہوئی قوم کے لیڈر اچل شائع کرنے لگے۔ خدا کے لئے آپ لوگ فی الحال انہروں پر بیٹھنا چوڑ دیجئے۔ ٹرین پر بیٹھنے ہوئے ہیں دھکا کپارٹمنٹ میں کسی کا پیٹ مردڑا..... گروگڑا کر بولا۔ آپ لوگ ذرا من پھیر لیجئے۔ میں اور آپ کسی مجرم کا چیخا کر رہے ہیں۔ دھکا آپ سے پڑ گئے۔ وجہ پوچھی تو آہستہ سے بولے۔

”ااغڑا“ اور زمین پر بیٹھ گئے۔ مجرم غائب۔ یا مجرم ہی پر وقت پڑا تو پلٹ کر ہم سے اجازت طلب کی اور خود بیٹھ گیا۔ دوسرے دن اخبارات میں سرخیاں جنم رہی ہیں کہ فلاں فلاں مجرم ااغے دیتے وقت گرفتار کر لیا گیا یا پھر اپکڑ فریدی مجرم کا تعاقب کرتے وقت ااغے دینے لگے اور مجرم ساف نکل گیا۔ یا مجرم اپکڑ فریدی کے ااغے لے کر فرار ہو گیا۔“

”بس کرو سور.....!“ فریدی ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبو چتا ہوا بولا۔

”تو پھر آپ وہیں چل رہے ہیں نا؟“ حمید نے بندیگی سے پوچھا۔

”نہیں.....!“ فریدی یک بیک اُس سے بھی زیادہ سمجھدے نظر آنے لگا اور حمید خاموش ہو گیا۔ اُس کی چونیں ابھی تک دئے رہی تھیں اور حقیقتاً وہ اتنی دیر یعنی مخفی اس لئے بکواس کرتا رہا تھا کہ فریدی اُس لبوترے پھرے والے کو بھولا رہے۔ درست وہ بات بات پر حوالہ دے کر اُسے چھیڑتا۔

”کل رات والی لاش کی بھی شناخت ہو گئی۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

”کون تھا.....؟“

”چڑے کے ایک تاجر سینھ سلیمان کا لڑاکا..... اُس کا گھر کوتوالی کے قرب ہی ہے۔ میں

صحیح سینھ سلیمان سے ملا تھا۔“

حمدودر سے جملے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن فریدی پھر خیالات میں کھو گیا۔

”اُس نے کیا بتایا.....؟“

”کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کہنے لگا کہ وہ کئی دن سے کچھ کھویا کھویا سا معلوم ہوتا تھا اور کئی راتوں سے اپنے کانج کے کسی پروفیسر سے پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ پھر شام کو بھی وہیں گیا تھا۔“

”تو وہ پروفیسر.....؟“

”اُس پروفیسر کا نام وہ نہیں بتاسکا۔“

”کس کانج میں پڑھتا تھا.....؟“

”موزوں میں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے پروفیسروں سے ملتا پڑے گا۔“

”میں اتنا لمبار چوڑا راستے کبھی اختیار نہیں کرتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”پھر.....؟“

”میں فی الحال اس لڑکے کے والدین سے ملوں گا۔ جس کے متعلق جھریائی میں تحقیقات

کر پکا ہوں۔“

”اُس سے کیا ہو گا؟“

”پھر وہی احتمانہ سوالات۔“ فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ ”میری تفتیش کی رو سے وہ سارے متوال ایک ہی کالج سے متعلق نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا قائل ایک ہی ہے۔ کیونکہ قتل کی نوعیت مختلف نہیں بھتے تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ وہ سارے لڑکے کس بھانے سے رات کو گھروں سے غائب رہے تھے۔“

”تو کیا آپ پروفیسر والے دانعے کو بہانہ سمجھتے ہیں؟“
”قطیٰ!“

”آخر کیوں.....؟“

”اگر یہ حرکت پروفیسر کی ہوتی تو وہ بھی ایسے اوقات میں اس قسم کے اقدامات نہ کرتا جبکہ ان لڑکوں کی موجودگی اُس کے بیہاں ثابت ہو سکتی۔“

”مگر آپ تو اسے ایک قسم کا جنون قرار دے پکے ہیں۔ پھر جنون میں عصل کا کیا کام؟“
”حمد صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر وہ مجرم اس وقت آپ کو کہیں مل جائے تو آپ اُس کے متعلق یہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ وہ اتنی درندگی سے کسی کو قتل کر سکتا ہے۔“

”پھر یہ کیسا جنون.....؟“

”یہ ایسا ہی جنون ہے اور صرف اُس وقت بیدار ہوتا ہے جب شہوانی جذبات اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہے ہوں۔ اُس وقت مکمل تسلیم کے لئے خون کی پیاس بڑھ جاتی ہے۔ آدی درندگی پر اتر آتا ہے بعض صورتوں میں تسلیم کے بعد بھی مزید تسلیم کے لئے اس قسم کی حیوانیت درکار ہوتی ہے۔“

حمد خاموش ہو گیا۔

”کیا سوچ رہے ہے؟“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ نہیں جانتے۔“

”ہے اسی کا تو افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ حمید صاحب یہ دنیا بہت وسیع ہے اور بیہاں کا ہر فرد کم از کم ایک ایسا تاجر ہے ضرور رکھتا ہے جو دوسرے کے لئے قطبی نیا ہوتا ہے۔ پھر بھلا

بناوہ میں کیا جان سکتا ہوں۔ بس اسی علم کی پیاس مجھے دن رات بے قرار رکھتی ہے اور جب مجھے کوئی نیا تجربہ ہوتا ہے تو میں اپنی بے چارگی کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اس عظیم کائنات میں ایک حقیر کیڑے کی طرح ریکھ رہا ہوں۔“

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر بڑا آدمی از راہ خاکساری سمجھ کرتا ہے۔“

”عام آدمی اسے خاکساری پر محروم کرتے ہیں مگر یہ سو فیصدی حقیقت ہوتی ہی۔ ہر بڑا آدمی اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی کھال سے باہر نہیں نکل سکتا۔“

حید اپنے پاپ میں تباہ کو بھرنے لگا فریدی نے ایک جگہ کارروک دی۔

پھر وہ دونوں ایک عمارت کی اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔ فریدی اس لڑکے کے باپ سے ملا جس کی متعلق وہ جھریالی کے قریب والے گاؤں میں تحقیقات کر چکا تھا۔ اس کے لڑکے کو مصوری ہی کا شوق تھا اس لئے اس نے قفل سے پدرہ دون قل میشل آرٹ کالج میں داخل یا تھا۔ جہاں رات کو بھی مصوری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ متول رات ہی کے کلاس اشناز کرتا تھا۔ اس کے بعد فریدی دوسرے متولین کے درہ سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے بھی مختلف قسم کی باتیں بتائیں۔ رات کو وہ سب کسی نہ کسی بہانے سے باہر رہے تھے۔ ان متولوں کی رہائش گاہوں کی تلاش وہ پہلے ہی لے چکا تھا اور اسے مایوسی ہی ہوئی تھی کیونکہ کہیں کوئی اسکی چیز نہیں مل سکی جس سے مجرم کی شخصیت پر کوئی روشنی پر مسکتی۔

”دیکھا تم نے۔“ فریدی واپسی پر حید سے کہہ رہا تھا۔ ”کسی نے کوئی اسکی بات نہیں بتائی جس سے ایک ہی نتیجہ نکلا جائے۔ خیر ہم فی الحال نیشل آرٹ کالج چل رہے ہیں۔“

”بہر حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کیس میں ہمارے پرخیز اڑ جائیں گے۔“ حید نے کہا۔

”معلوم تو ہی ہوتا ہے۔“

نیشل آرٹ کالج میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نام کے کسی لڑکے نے وہاں داخلہ نہیں کرایا۔ یہ بات پر پل سے معلوم ہوئی تھی لیکن فریدی نے اپنے اطمینان کے لئے سارے رجسٹر خود ہی الٹ ڈالے اور اسے ناکامی کا منزد دیکھنا پڑا۔

”بیکار ہے۔“ اس نے حید سے کہا۔

اور وہ دہاں سے روانہ ہو گئے۔ پھر دوسرے مقتولین کے متعلق بھی تفہیش کی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ کسی کے متعلق یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ رات کو کہاں عائب رہتا تھا۔ فریدی اور حمید تھک ہار کر گھر واپس آگئے۔

وہ عورت

تن بجے وہ گھر پہنچے۔ فریدی کے چہرے سے جلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی وہ ایک آرام کریں گریا۔ چند لمحے آنکھیں بند کئے لیٹا رہا پھر سارے لگانے لگا۔

”نہ جانے وہ کس لائچ میں پڑ گئے تھے۔“ وہ آہتہ سے بڑا بڑا۔

”کون.....؟“ حمید چوک کر بولا۔

”وہی لاکے..... کسی نے بھی اپنے والدین کو رات کی غیر حاضری کی صحیح وجہ نہیں بتائی۔“

”کیا آپ بھول گئے کہ کل والی لاش آپ کو ایک قمار خانے میں ملی تھی؟“ حمید نے کہا۔

”ہاں.....!“ فریدی اُسے سوالیہ نظر وہ سے دیکھنے لگا۔

”ممکن ہے کہ وہ سب دہاں جو اکھلنے کی غرض سے جاتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں شروع شروع میں کسی لمبی جیت میں رکھا گیا ہو۔ یہ لائچ ناکافی ہے۔ مجھے تو یہ حرکت اُسی گروہ کے کسی آدمی کی معلوم ہوتی ہے۔“

”میرا بھی سبھی خیال ہے اور وہ آدمی اس گروہ کا کوئی معمولی ممبر نہیں معلوم ہوتا۔“

”سرغنا.....؟“ حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”قطیعی! کسی معمولی ممبر کی لئے اتنا اہتمام نہیں کیا جاسکتا۔“

”ہاں.....!“ اُن قیدیوں کا کیا ہوا.....؟“

”سب حوالات میں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور میرے خیال کے مطابق وہ سب کھلاڑی ہی نکلے۔ گروہ کے سارے آدمی نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک آدھ گروہ کا بھی آدمی ہو۔ مگر اول تو یہ پہ لگانا ہی محال ہے کہ ان میں سے گروہ کا کون آدمی ہے اور اگر یہ معلوم بھی ہوگی تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بیتے لوگوں کی صحیح نشاندہی کر سکے۔“

”پھر.....؟“

”پھر کیا..... یہی کہ فی الحال معاملہ بالکل سپاٹ ہے۔ لیکن تم ضرور کچھ تباہوار ہو گئے ہو۔“

”آپ نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”اس سوتے مجھے دھوکے میں رکھا ورنہ وہ اس وقت کہیں.....؟“

”اور گل چھڑے اڑا رہا ہوتا۔“ فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر کے قبھرہ لگایا۔

ٹلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر رسیور اٹھایا۔

”ہیلو..... لس فریدی اسپینگ..... اوہ آپ فرمائیے۔“ فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ ہم دونوں اس وقت مشغول ہیں..... پھر بھی سکی..... اے شرمندہ ن کہنے مجھے۔ بات ہی کیا تھی..... وہ تو محض اتفاق تھا..... ورنہ ہمیں کیا معلوم ہوتا..... نہیں..... پھر بھی سکی..... شکریہ۔“

فریدی رسیور کھکھ کر حمید کی طرف مڑا اور مکرانے لگا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہم میں سے کس پر عاشق ہوئی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”مگر نہیں تمہاری صورت تو آج اس قابل ہی نہیں تھی۔“

”کس سے باتیں کر رہے ہیں؟“

”لیڈی جہانگیر عادل کی۔“ فریدی نے مکرا کر کہا۔ ”اس نے ہم دونوں کو چائے پر مدھو کیا تھا۔“

”اوہ آپ نے؟“

”ہاں..... آس..... انکار کر دیا۔“

”بہت اچھا کیا۔“ حمید نے من بننا کر کہا۔ ”لیکن میں تو ضرور جاؤں گا۔“

”بکومت.....!“

"بکون گا.....!"

"تمہارے من پر تو براچھ ہادیا جائے گا۔"

"میں ایسی زندگی پسند نہیں کرتا جس میں تفریح کو دخل نہ ہو۔"

"مجھے ایسی موت بھی پسند ہے جس میں تضییج اوقات تھے ہو۔" فریدی نے سگار ہوتھوں سے نکال کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں تمہیں آج تک راہ راست پر نہ لاسکا۔"

"اوہ تو کیا آپ راہ راست پر چل رہے ہیں۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ "آپ ایک نیک اور بغیر زچنان کی طرح اپنی ہی ذات تک محدود رہنا چاہتے ہیں۔ آپ خود غرض ہیں۔ آپ کا جذبہ تخلیق فنا ہو چکا ہے۔ آپ کی زندگی کے ویرانوں میں پیار بھرے گیت بھی نہ گنجیں گے۔"

"نہ گنجیں.....!" فریدی نے لاپرواں سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلاکا نے لگا۔

"مجھے آپ کی بے بی پر حرم آتا ہے۔" حمید قلبیانہ انداز میں بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ اپنی جنسیت کو بڑی طرح کچل رہے ہیں۔ آپ ظلم کر رہے ہیں۔ خود پر بھی اور اُس جذبہ تخلیق پر بھی۔"

"جو بے شمار نگے اور بھوکے آدمیوں کو جنم دیتا ہے۔" فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

"یہ آپ کے بس کی بات ہے کہ آپ نگے بھوکوں کی بیداوار روک دیں۔ مگر اس اطیف

جن بے کو کچلتے سے قائدہ؟"

"کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "ایسی گفتگو ہمیشہ بیکاری کے لحاظ میں چھیڑا کرو۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ آج تک کوئی عورت آپ کی زندگی میں داخل نہیں ہوئی۔"

"کیوں نہیں۔"

"کون تھی وہ.....؟" حمید نے خالص ڈرامائی انداز میں کہا۔

"میڈم چیاگ کائی شک کی بڑی بہن۔"

"اوہ..... تو وہ آج کل کہاں ہے؟"

"قبر میں..... کیا تم اُس کے پاس جانا چاہتے ہو؟"

”نبیں بھی خط لکھے گا تو میرا بھی سلام لکھ دیجئے گا۔ اچھا تو میں چلا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔
”کہاں.....؟“

”لیڈی جہاں تکیر عادل جی۔“

”اگر اپنی دکھتی ہوئی چونوں پر ہاتھ پھیرنے سے بھی محروم ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو
ضرور جاؤ۔“

حمید دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

”بھائی۔ بی ہو جائے گا۔“ حمید حق کے مل چکا۔

”قدر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔“ فریدی نے تاسف آمیز لمحے میں کہا۔

”میں خود کشی کرلوں گا۔“

”مگر پچھا حساب بے باق کرنے کے بعد۔“

”آپ ظالم ہیں۔“

”بھائی اس سے انکار کب ہے۔“

”میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

”خود کشی سے پہلے یا خود کشی کے بعد؟“

حمدی کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر ٹینے لگا۔

”سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ چپ چاپ کسی بہانے سے نکل جائے۔ فریدی اُس کی
تفریحات میں شاذ و نادر ہی حارج ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ اُسے کسی بات سے باز رکھنے پر اڑی
جاتا تو حمید کی ایک نہ چلتی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ آج بھی فریدی کا انداز کچھ اسی قسم کا ہے۔ وہ
فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

”میں ذرا.....!“

”کام سے جا رہے ہو۔“ فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ ”کیوں شامت آئی ہے۔“

”آپ تو خواہ خواہ۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی تحکمانہ لمحے میں بولا۔

”بینچے گیا۔“ حمید نے جلا کر کہا۔

”جسیکو تمہاری شامت آگئی ہے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں بند کرنا پڑے گا۔“
حید نے محسوس کیا کہ فریدی نے وہ جملہ نہ انہیں کہا تھا۔ اُس کے چہرے پر خطرناک قسم
کی سنجیدگی تھی۔

”تم ہمیشہ کام بگازنے پر تلمیز رہتے ہو۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”لیکن میں اس بار تمہیں
اس کا موقع نہیں دوں گا۔“

”آخر بات کیا ہے؟“ حمید بوكھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”میں تمہیں بند کر دوں گا۔“

”پھانسی دے دیجئے ہے مجھے۔“ حمید نے جلا کر کہا۔

”شٹ اپ.....!“

اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا ایک کمرے کی طرف لے گیا۔

”آپ اس وقت میرے ساتھ اس طرح پیش آ رہے ہیں جیسے میں آپ کی مکوہ پر ڈاکر
ڈالنے چاہتا ہوں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اس نے سوچا کہ اب اس وقت غصہ دکھا کر خود ہی زخم
ہونا پڑے گا۔ فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا تھا اُسے کر گزرنے
کا ارادہ رکھتا ہے۔ فریدی نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

”آخر بند کرنے سے کیا فائدہ۔“ اُس نے پھر کہا۔

”فائدہ اور نقصان میں سمجھتا ہوں۔“

حمد کو پھر تاؤ آگیا۔ بھنا کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہے تو میں اسی وقت استغفاری دیتا ہوں۔“

”فضول.....!“ فریدی آہستہ سے بڑا ہوا۔ ”تمہیں میرے ہی ساتھ مرنا بھی پڑے گا۔“

”اور اگر میں میڈیکل سرٹیکلیٹ داخل کر دوں تو.....؟“ حمید نے کچھ ایسے لمحے میں کہا کہ

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”اس صورت میں تمہیں مجھ سے پہلے مرنا پڑے گا۔“ فریدی اُس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا

”حمد بھننا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی خاص بات

ضرور ہے۔ ورنہ فریدی اس طرح پیش نہ آتا۔

اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے کپڑے اتارے اور بستر میں گر گیا۔ اس کا ذہن فریدی کے اس عجیب غریب روئے میں الجھ کر رہا گیا تھا۔

حید اتواء و اقسام کے خیالات میں الجھا ہوا سو گیا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ کوئی دروازہ بھڑ بھڑا رہا ہے۔

"اڑے کون ہے بابا.....؟" اس نے مسہری پر پڑے ہی پڑے ہاکم لگائی۔ پھر فریدی کی آواز پہچان کر انھے بیٹھا۔

میز پر رکھی ہوئی ٹائم چیس سائز ہے چھ بجارتی تھی۔

فریدی شاید کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

"اب تم خرچی عورتوں کی طرح اپنا غصہ پلٹ پر اتارنے لگ ہو۔" فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"مرنے کے لئے؟" حید نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

"جلدی کر دو قسم ہے۔"

"آپ تشریف لے جائے۔"

"لیڈی جھاگیر کے یہاں نہیں چلو گے؟"

"لیڈی جھاگیر کی.....!"

"شٹ اپ..... نہیں بلکہ گٹ اپ.....!"

"اب کیا مصیبت آگئی۔" حید زج ہو جانے والے انداز میں چیخا۔

"انھو.....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر انھا دیا۔

حید نے من وہ کر طوعاً و کرنا کپڑے تبدیل کئے اور فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یک بیک فریدی کے خیالات کیوں تبدیل ہو گئے۔

پھر خیال آیا کہ کہیں اس نے محض اسے چڑھانے کے لئے لیڈی جھاگیر کا حوالہ دیا ہو۔

"آخ رجانا کہاں ہو گا؟" حید نے راستے میں پوچھا۔

”لیڈی جہاگیر عادل جی۔“

”اب کیوں؟“

”میری خوشی۔“

”لیکن میں نہیں جاؤں گا۔“

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا انکار کبھی وزن نہیں رکھتا۔“

حید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اُسے بچ بچ غصہ آگیا۔ آج ہی فریدی اُسے لیڈی جہاگیر کے معاملے میں کافی شرمندہ کر چکا تھا اور اب خود ہی اُسے سمجھنے لئے جا رہا ہے۔ وہ اپنے انداز سے بے تعقیٰ ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

فریدی کی کیڈیاں جہاگیر پلیس کے سامنے رک گئی۔ جہاگیر پلیس شہر کی عمدہ ترین عمارتوں میں سے تھی۔ سر جہاگیر عادل جی کی موت کے بعد اُس کی ساری جائیداد اس عمارت سمیت اُس نوجوان بیوی کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ وہ ایک بوڑھا اور لاولد آدمی تھا۔ تیسری شادی کے دو ہی سال بعد اُسے موت نے آدبا یا اور کسی قریبی عزیز کی عدم موجودگی کی بنا پر سارا تر کر اُس کی بیوی کو ملا۔

ملاتی کارڈ بجوا کر فریدی بیرونی گلری میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لیڈی جہاگیر خود پاہر آگئی۔

”اوہ آئیے! آئیے۔“ وہ پر جوش انداز میں بولی۔ ”میں کبھی تھی شاید آپ لوگ کسی مصلحت کی بنا پر یہاں آتا مناسب نہیں سمجھتے۔“

”یہ بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ہم لوگ حقیقتاً بہت مشغول تھے۔“

پھر وہ متعدد کروں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچے جو جدید طرز کے سامان آرائش سے بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر سنہرے فریبیوں میں قد آدم تصویریں آؤ رہاں تھیں۔ ان میں زیادہ تر دنیا کے مشہور ترین مصوروں کے شاہکار تھے۔

اس وقت حید کو لیڈی جہاگیر ایک بالکل ہی تی خصیت معلوم ہو رہی تھی۔ پھرے سے پڑھو گی کے آثار مت پکھے تھے۔ لباس اور رکھ رکھاؤ میں سلیقہ تھا لیکن وہ کچھ خائف ضرور نظر

آرہی تھی۔

فریدی پیانو کے قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک رکی گفتگو ہوتی رہی پھر اچانک فریدی نے اسے اپنے مخصوص قسم کے کھرد رے لجھ میں مخاطب کیا۔
”لیڈی جھاگیر۔“

”مختہر ہے!“ وہ بات کاٹ کر بولی۔ ”میرا نام افروز ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی یک بیک مسکرا پڑا۔ ”لیکن میں اتنی بے تکلفی کی جمارت نہیں کر سکتا۔“

حید نے ہلاکا ساق پتھہ لگایا اور بولا۔ ”لیکن کم از کم میں تو تکلفات کا قطعی عادی نہیں۔“

”تب تو آپ یقیناً میرے ہم خیال ہیں۔“ افروز حید کی طرف پلٹ کر مسکرائی۔

پھر فریدی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ”یقیناً ہم لوگ ایک دوسرے کے لئے اچھی ہیں مگر میں اپنی نظرت سے مجبور ہوں۔ اخلاقیات کے بے جا ڈھونگ کی میں دوسرے سے قائل ہی نہیں۔ لہذا نہایت صفائی سے عرض کرتی ہوں کہ میں لیڈی جھاگیر کے نام پر مخاطب ہونا پسند نہیں کرتی۔ مجھ میں ایک کمزوری اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر میرے دل کی بات زبان تک نہ آسکے تو مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔“

”قدرتی بات ہے۔“ حید نے قائل ہو جانے والے انداز میں سر کو جنبش دی۔

”لیکن.....!“ فریدی کے لجھ میں بچکچا ہٹ تھی۔ ”جب تک آپ دوسری شادی.....!“

”میں جانتی ہوں کہ میں اس وقت تک لیڈی جھاگیر ہی رہوں گی۔“ وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولی۔

فریدی استفہماسی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے دوسرے جملے کا خلتر ہو۔

لیکن اس نے پھر وہ بات ہی اڑا دی۔

وہ حید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”کیا چوٹیں اسی ہنگامے میں آئی تھیں؟“

”اچھی خاصی شکل بگو کر رہ گئی۔“ فریدی نے فس کر کہا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ شاید انہیں قتل کر دیا گیا۔“

”کیوں.....؟“ افروز چوک کر بولی۔

"اکیلے بے دھڑک اُس جم غیر میں گھس گئے تھے۔ بہت دلیر آدمی ہیں۔ انہوں نے کئی موقع پر میری بھی جان بچائی ہے اور اگر یہ حضرت دہاں نہ گھستے تو شاید بھرم آپ سے مطلب براری میں کامیاب ہو گئے ہوتے۔"

"تو کیا انہیں دہاں میری موجودگی کا علم تھا۔" افروز نے تحریر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

حید ملتجانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا اور "ہاں" کہہ دینے کا اشارہ بھی کیا۔

"نہیں! انہیں شبہ تھا کہ وہ مجرموں کا اڈہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور آپ کامل جانا تھا۔"

(اتفاق تھا۔)

"بہر حال میں آپ دونوں کی ملکوں کی ملکوں ہوں۔" افروز بنے کہا اور حید کی طرف کچھ اُسی نظروں سے دیکھا کہ وہ جماہی لینے کے بھانے منہ چھپا نے لگا۔

تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر افروز بولی۔ "آپ لوگوں کو ٹینس سے تو ضرور ہی شوق ہو گا۔ کبھی ادھر بھی تشریف لا یا کیجئے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میرا لان بہت عمدہ ہے لیکن پھر بھی۔"

"ضرور ضرور.....!" فریدی نے کہا۔ "خیر میں نے تو کبھی ٹینس کھلی ہی نہیں۔ البتہ میرے دوست حید صاحب بہت اچھے کھلاڑی ہیں۔"

حید کو فریدی کے اس سفید جھوٹ پر تاؤ آگیا۔ وہ اچھا کھلاڑی ہرگز نہیں تھا۔ وہ ایسے کھیل کا تو قائل ہی نہیں تھا جس میں بہت زیادہ ہاتھ پیر ہلانے پڑیں۔ اُس کا خیال تھا کہ فرست کے لمحات میں بھی جسم کو تکلیف دینا پر لے سرے کی حماقت ہے۔

"اوہ! تب تو آپ سے مل کر اور خوشی ہوئی۔" افروز نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بہت خوش مزاد اور لطیفہ گو ہیں۔" فریدی بولا۔

حید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچاک اُسے فریدی کے اس وقت کے عجیب و غریب رویے کا خیال آگیا۔ اُس نے کبھی کسی عورت سے اُس کی تعریف نہیں کی تھی۔ لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اُس کی خصوصیات گنوار ہا تھا۔

"ہاں تو لیڈی.....!" فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اوہ معاف کیجئے گا..... بات یہ ہے کہ باتوں میں پڑ کر آپ سے ایک اہم بات دریافت کرنا بھول گیا۔"

”فرمائے.....!“

”کیا آپ ان میں سے کسی بھرم کو شناخت کر سکتی ہیں؟“

”مجھے افسوس ہے کہ نہیں۔ ان میں سے کوئی چہرے پر سیاہ نقاب لگائے بغیر میرے سامنے

نہیں آیا۔“

فریدی کی پیشانی پر پرشیش لکیریں ابھر آئیں۔

”آپ کو کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ

پھر.....!“

”میں خود بھی بھی سوچتی ہوں۔“ افروز پر خیال انداز میں بولی۔ ”کیا خیال ہے آپ
کا..... اگر میں اپنے ساتھ مل سکے آدمی رکھوں؟“

”بہت اچھا خیال ہے..... میں بھی بھی مشورہ دینے والا تھا۔“ فریدی مصطفیٰ بانہ انداز میں
کری پر پہلو بدلتا ہوا بولا۔ پھر اس کا ہاتھ بے خیالی میں پیانو پر جا پڑا اور سارے ہال میں ایک
بے ہنگامی جھنکار گونج آئی۔

”مجھے افسوس ہے۔“ وہ آگے کی طرف جک کر بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ افروز نے قہقہہ لگایا۔ ”میں اس کی نعمتی سے لطف انداز ہوئی ہوں۔
کم از کم اس نے ماہول کی یکسانیت تو ایک لحظے کے لئے دور کر دی۔“

”آپ تو قلقی معلوم ہوتی ہیں۔“ حمید نے ہس کر کہا۔

واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ”میں حمید صاحب..... اگر یہ ہمارا ہو جائے تو پھر کیا
بات ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ حمید چوک کر بولا۔

”میرے خیال سے تمہیں اس کی بیوگی سے زیادہ اس کی دولت میں دلچسپی لتھی چاہئے۔“

”میں لاں بچکوئیں ہوں۔“ حمید نے اس کی گول مول باتوں سے عجَّا کر کہا۔

”میں نے اس عورت کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس

لئے نہیں کہ وہ بہت خوبصورت ہے محض اس لئے کہ کثیر دولت کی مالک ہے۔“

حید نے قہقہہ لگایا۔ ”کوئی مصلحت.....؟“

”قطعنی نہیں۔“ فریدی کے لمحے میں مخصوصیت تھی۔ ”واقعی یہ تمہارے لئے ایک بہتر بیوی ثابت ہوگی۔“

”الون بنائیے تھے۔“ حید اپنے بازوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”نبیں حید اسے چھانسو.....!“

”آج میں پہلی بار آپ کی زبان سے اتنا بازاری جملہ سن رہا ہوں۔“ حید نے تحریر آمیز لمحے میں کہا۔

”لفظ چھانسو! بھی میں نے اُس کی دولت ہی کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔“

حید کی حرمت بڑھتی جا رہی تھی۔ کیونکہ وہ فریدی سے اس قسم کے خیالات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

اندھیرے میں گھونسہ

چھائیکر جیل کا وسیع ہال برتنی قلعوں سے جگہا رہا تھا۔ آرکسٹرا کی چیلی دھنس فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔ آج یہاں نوروز کی دعوت کے سلسلے میں ایک عظیم اشان تقریب منعقد ہونے والی تھی۔ شہر کے اعلیٰ طبقے کے لوگ دعوے کئے گئے تھے۔ ان میں فریدی اور حید بھی تھے۔ ان دونوں کے داخل ہوتے ہی اکثر اطراف سے اٹکلیاں اٹھنے لگی تھیں۔ شہر کے اوپرے طبقے کے پیشتر لوگ فریدی سے اچھی طرح واقف تھے اور اُس سے متعارف ہونے کے متنی رہا کرتے تھے۔ خوب صورت مردوں سے فلرت کرنے والی امیر لڑکیاں تو خاص طور پر اُس کی طرف توجہ دیتی تھیں۔ لیکن وہ ان کی طرف سے کچھ اس طرح بے نیازی ظاہر کرنے کا عادی ہو گیا تھا جیسے وہ خود ہی انہیں کی جنس سے تعلق رکھتا ہو۔

اس دعوت میں شرکت کے اہتمام کے سلسلے میں حمید نے تو ریکارڈ ہی توڑ دیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ عُسل خانے سے برآمد ہوا تھا اور پھر اس نے دو ہی گھنٹے لباس کے انتخاب اور استعمال میں صرف کئے تھے..... اس دوران میں لیڈی جیا گیئر سے اس کی گاڑھی چھنٹے لگی تھی لیکن معاملات ابھی تک بعض دوستی ہی کے دائرے میں تھے۔ حمید کو فریدی کا یہ خیال قطبی اتو معلوم ہونے لگا تھا کہ وہ ایک آوارہ عورت ہے۔ حمید نے اس کے ساتھ کئی راتیں ناٹ کلبوں اور رقص گاہوں میں گزاری تھیں۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات اس کے مشاہدے میں نہیں آئی تھی جس کی بناء پر وہ اسے آوارہ کہہ سکتا۔ اس کا ہر طنے والا اس سے عزت اور حکیم سے پیش آتا تھا۔ حالانکہ اس کے طنے والوں میں بھی جوان اور اس کے ہم عمر تھے۔ لیکن حمید نے ان میں سے کسی کی آنکھوں میں اس کے لئے جنسی بھوک نہیں دیکھی تھی۔

فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مصروف رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنی مصروفیت کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات حمید کو نہیں بتائی۔ ادھر کچھ دنوں سے ان عجیب و غریب وارداتوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا لیکن چھپلی الاشون کے سلسلے میں ابھی تک اخبارات میں بیانات شائع ہو رہے تھے اور شہر میں کافی سنسنی تھی۔ حمید بدستور اس لبریٹرے چہرے والے کی ٹالاں میں تھا اور ابھی تک وہ اس بات کا بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ دوبارہ مل جانے کی صورت میں وہ اس کے ساتھ کیا برداشت کرے گا۔

آرکسٹرا کی گست بند ہو گئی اور ہال میں صرف قبیلے سنائی دیتے رہے۔ ہلکی ہلکی نسوانی چینیں گوختی رہیں۔ ابھی پہلا راؤ ٹشروع نہیں ہوا تھا۔ رقص سے پہلے جمناسٹک کا پروگرام تھا۔ دو ماہر فن چینیوں اور ان کے ساتھ ایک خورد سال لڑکے نے محترم اعقول کرت دکھانے شروع کیے۔ ہال تالیوں اور ٹھیسین آمیز شور سے گوختا رہا۔

ایک گھنٹے بعد رقص شروع ہوا۔ لیڈی جیا گیئر اس وقت قریب قریب سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ پہلے راؤ ٹشروع میں وہ اپنی ہی قوم کے ایک نوجوان کے ساتھ ناچتی رہی۔ حمید ایک ایگلو اغذیں لڑکی کا ہم رقص تھا اور فریدی..... اس نے تو ایسی حرکت کی تھی کہ رقص کرنے والے بیتیرے نوجوان جوڑے اب تک اس پر ہنس رہے تھے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ ناچ

ربا تھا۔

"تمہارا ساتھی براستم ظریف ہے۔" حمید کی ہم رقص اُس سے بولی۔

"ستم رسیدہ بھی ہے۔" حمید نے پر خواب آنکھوں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"کیوں.....؟"

"بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا۔" حمید فس کر بولا۔ "اسی لئے اُسے

بوڑھی عورتیں زیادہ پسند آتی ہیں۔"

"اُس کی آنکھیں۔" ہم رقص تھوک لگتی ہوئی بولی۔ "اُس کی آنکھوں میں کیا ہے۔ میں

اُس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی۔ میرا خیال ہے کوئی عورت اُس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی۔"

"میں اُسے سیاہ عینک استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا۔" حمید اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا

بولا۔ ہم رقص کی پیشانی اُس کے شانے پر تھی۔

"میں نے تمہیں ایک بار ہائی سرکل ہٹ کلب میں دیکھا تھا۔" ہم رقص گنتنائی۔

"ایک کیا..... سینکڑوں بار دیکھا ہو گا۔"

"میں تو وہاں صرف ایک ہی بار جا سکی ہوں۔"

"میرے ساتھ روز نپاکرو۔"

پہلا راؤٹ ختم ہو گیا۔ لوگ گلری میں لگی ہوئی میزوں پر آبیٹھے۔ میزوں پر عمده قسم کی کاک

ٹیل موجود تھی۔ حمید تمہارہ گیا۔ اُس کی ہم رقص کسی دوسری میز پر چلی گئی تھی۔ فریدی اپنی ادھیزر ہم

رقص کے ساتھ حمید کی میز پر آبیٹھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ دوسرے راؤٹ میں بھی اُسی کے ساتھ رقص

کرے گا۔

"نادام فلوئنڈر۔" فریدی نے حمید سے تعارف کرایا۔ "اور یہ میرے ساتھی مسٹر حمید۔"

دونوں نے رنگی جملے دہراتے۔

"لیڈی جہانگیر نے بڑی اچھی کاک ٹیل مہیا کی ہے۔" ادھیزر عورت اپنے ہونتوں پر زبان

پھیرتی ہوئی بولی۔

"ہم دونوں کاک ٹیل پی کر ہمیشہ نزلے زکام میں جتنا ہو جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مجب بات ہے۔" "عورت نے کہا اور اپنا گلاس بھرنے لگی۔
انتہے میں لیڈی جہاگیر آگئی۔

"آپ لوگ نہیں پر رہے ہیں؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں سکرائی۔
"ہم لوگ اس وقت صرف کافی پینے کے عادی ہیں۔" فریدی نے ہس کر کہا۔
"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ شراب پیتے ہی نہیں۔"

"ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔"

"مختہر یے! میں کافی مغلوق آتی ہوں۔"

"تکلیف کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور حمید نے لیڈی جہاگیر کی جھمر جھری محسوس کر لی۔

"تکلیف تی..... تکلیف کی کیا بات۔" لیڈی جہاگیر تمہوں تھی ہوئی بولی۔ پھر اس نے ایک دیڑ کو اشارے سے بڑا کافی لانے کو کہا۔

"اس شہر میں آپ سے زیادہ سلیقہ مند عورت مجھے نہیں نظر آئی۔" فریدی کی ہم رقص لیڈی جہاگیر سے بولی۔

"نہیں تو..... میں تو بالکل گتوار ہوں۔" لیڈی جہاگیر نے قہقہہ لگایا۔

"اس تم کی کاک نحل میں نے زندگی میں ایک ہی بار پی تھی۔" مادام بیڑنے کہا۔ "وچھر آف والگھان کی کاک نحل پارٹی میں اجیں والوں کا سلیقہ بھی اس سلسلے میں مشہور ہے۔ لیکن میں نے وہاں بھی ایسی کاک نحل نہیں چکھی....."

"میرا خیال ہے کہ آپ کا پیش.....!" لیڈی جہاگیر فریدی کی طرف مخاطب ہو گئی۔ "آپ کو شراب نوشی سے باز رکھتا ہے۔"

"ضروری نہیں! بس یونہی پینے کو دل نہیں چاہتا۔"

"حالانکہ میں تھوڑی بہت بیٹھی ہوں۔" لیڈی جہاگیر نے کہا۔ "لیکن تے جانے کیوں مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو نہیں پیتے۔"

"میں بھی نہیں پیتا۔" حمید آہست سے بواہر لیڈی جہاگیر ہنسنے لگی۔

”واقعی حمید صاحب بہت زندہ دل آدی ہیں۔“

کافی آگئی اور لینڈی جھاگئی انٹھ کر دوسرے مہمانوں کی میز پر جائیجی۔ فریدی کی ہم رقص بھی اٹھنے لگی۔

”میں دوسرے راؤٹر کے لئے بھی آپ ہی سے استدعا کروں گا۔“ فریدی نے اس سے کہا۔ مادام ٹلوینیز ایک لمحہ اُسے مشینی نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔ ”راؤٹر شروع ہوتے ہی میں آ جاؤں گی۔“

حمد اُس کے جانے کے بعد تغیر آمیز انداز میں مکرانے لگا۔

”حقیقتاً آپ نے اپنی زندگی برپا کر لی ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن میں نے کبھی تمہیں اس کی رائے نہیں دی۔“

”یہاں کئی خوبصورت لڑکیاں آپ کی ہم رقص بننے کی معینی نظر آرہی تھیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلاکانے لگا۔

”لیں آج میں اس کی وجہ پوچھ کر ہی رہوں گا۔“

”کس کی وجہ؟“

”میں شروع ہی سے اس بات کا اندازہ لگا رہا ہوں کہ آپ ایسے موقعوں پر زیادہ تر بوزٹی عورتوں کو تلاش کرتے ہیں۔“

فریدی مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”باتیئے نا.....!“ حمید نے پھر کہا۔

”پہاڑی ندیوں کو کبھی کبھی آبشار بھی کہتے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”پانچویں درجے کی جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی سبی پڑھا تھا لیکن میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔“

”کسی قلمی رسالے کے سوال و جواب کے ایڈیٹر سے رجوع کرو۔“

”بولئے۔“

”پہلا ہی جواب ٹھیک ہے۔“

”آپ کو بتانا پڑے گا۔“

”میں مرد آدمی ہوں نا۔“ فریدی اکتا کر بولا۔ ”کسی ایسی عورت کے ساتھ رقص نہیں کر سکتا جو میری جنسیت کو تحریک کر دے۔“

”تو لگوئی باندھ کر کسی بر گد کے درخت کے نیچے دھونی رہائیے۔ کسی رقص گاہ میں آپ کا کیا کام؟“

”فرزند میں یہاں تفریخاں نہیں آیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب یہ کہ اسی بھیڑ میں وہ لمبوتے چہرے والا بھی موجود ہے۔“

”کہاں.....؟“ حمید بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

”تشریف رکھئے! یوکھلا ہٹ مجھے پسند نہیں۔“

”میں بھی کہتا ہوں کہ اگر وہ بھی کل کل گیا.....!“

”بکومت.....!“ فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بخادیا۔ ”تمہارے فرشتے بھی اسے نہیں پہچان سکتے۔“

”میرے فرشتے اتنے بدھونہیں۔“

”اچھا تو جاؤ ڈھونڈتی لواؤ سے۔“ فریدی کرسی کی پشت سے نیک لگاتا ہوا بولا۔

”کیا وہ اس وقت بیٹھنی ہال میں موجود ہے۔“

”قطیعی.....!“

حمدی نے پورے ہال کا چکر لگا دیا۔ لیکن لمبوتے چہرے والا کہیں نہ طلا۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ واپسی پر اس نے فریدی سے کہا۔

”میں قطیعی بخیجہ ہوں۔“

”تو پھر بتائیے نا کہ کہاں ہے؟“

”پہلے تم وعدہ کرو کہ ہاتھ جیر قابو میں رکھو گے؟“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ ” حمید بولا۔

” تو پھر مجبوری ہے۔ ”

” آپ بھی نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ” حمید بچھلا کر بولا۔ ” اس مجبوری کی کیا بات۔ ”

” میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں اُس کی موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ ”

” تو یہ اتنا بجھا ہوا معاملہ ہے کہ آپ کو باقاعدہ دیکھنا پڑے گا۔ ” حمید بگز کر بولا۔

” آہتہ فرزند من۔ ” فریدی اُس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے بولا۔ ” زیادہ بدحواسی اچھی نہیں۔ تم بھی کہنا چاہتے ہو تو کہ وہ لیڈی جہاں گیر کو دوبارہ پکڑنا چاہتا ہے۔ ”

” ظاہر ہے۔ ”

” اس نے اتنا شاندار میک کیا ہے۔ ” فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ” اور وہ اتنی بھیز میں اسے انداز کرے گا۔ ”

” پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ”

” میں فی الحال صرف سوچنا چاہتا ہوں۔ ” فریدی بجھا ہوا سگار سکانا ہوا بولا۔

” تو سوچنے۔ ” حمید نے کہا اور پیر خش کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھی۔ آج کئی دنوں کے بعد فریدی پھر چونکا تھا۔ ورنہ اس دوران میں اُس نے ایک بار بھی اُن واقعات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ کئی اخبارات نے ملکہ سراج رسانی پر طنز بھی کیے تھے۔ ایسے موقع پر فریدی خاص طور پر چاق و چوبینہ نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن اس بار ایسا معلوم ہو رہا تھا ہیسے وہ ایک کان سے سن کر دسرے کان سے اڑا دینے والے محاورے کو کچھ عجیب عملی جامہ پہنتا رہا ہوا دراب اس وقت اچانک اُس نے پھر کروٹ بد لی تھی۔ حمید چند لمحے کھڑا اُسے گھوٹا رہا پھر بیٹھ گیا۔

” جاؤ پھر ٹلاش کرو۔ ” فریدی کے ہونتوں پر ایک زہری ملی مکراہٹ پھیل رہی تھی۔

” آپ سے خدا ہی سمجھے۔ ” حمید نے پیزاری سے کہا اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

دوسرا راوٹ کے لئے مویسیقی شروع ہو گئی تھی۔ لوگ آہتہ آہتہ اٹھ رہے تھے۔ اتنے میں لیڈی جہاں گیر حمید کے قریب سے گذری۔

” کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔ ” حمید نے اس سے کہا۔

"ضرور ضرور.....!" وہ نفس کر بولی۔ "لیکن میں دوست بعد حاضر ہو سکوں گی۔ ابھی تک جنگر کی بولیں نہیں آئیں۔ کچھ کم پڑ گئی ہیں۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ فریدی کی معزز ہم رقص آگئی تھی۔ فریدی اُسے بازوؤں میں لے کر رقصوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔ حمید میز پر نکل کر اپنا پاسپ سلاگا نے لگا۔

آرکشرا "Kiss me! Kiss me! Naughty boy" بجا رہا تھا اور کئی جوڑوں نے اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا۔ حمید کی نظریں فریدی کو ڈھونڈنے لگیں اور پھر یہی وہ اُسے دکھائی دیا۔ حمید اپنی بھی قبیلتہ کر سکا۔ اُس کی بوڑھی ہم رقص بار بار اُس کی طرف اپنے ہونٹ بڑھا رہی تھی اور وہ کچھ اس طرح کے منہ بنا رہا تھا جیسے اُسے ایکائیاں آ رہی ہوں۔ حمید کی نظر برابر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ایک بار تو اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے دونوں زمین پر آرہیں گے۔ وہ بے تحاش بھس رہا تھا۔ اتنے میں لیڈی جہاگیر آگئی۔

"خبریت.....؟" وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

"انتا عجیب و غریب آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" لیڈی جہاگیر نے کہا۔ "میں نے پہلے بھی ان کے تذکرے سے تھے۔ حمید صاحب اس شہر میں یہ تنہ آدمی ہیں جن کے متعلق اوپنے طبقتی کی عورتیں اور لڑکیاں بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں۔ اتنا دولت مند آدمی اور ایک معمولی انسکر۔ اتنا سیئن اور صحت مند آدمی، پھر بھی جوان عورتوں کی دوستی کا خواہش مند نہیں۔ آج ساری لڑکیاں اس کی ہم رقص بننے کی متنبی تھیں۔"

"کیا آپ کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔
"قدرتی بات ہے۔"

"تو آئیے..... میں بھی ان سے کم عجیب نہیں ہوں۔" حمید اُس کی کرم میں ہاتھ ڈال کر اُسے رنگ کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "میری عمر ایک سو ستر سال ہے پھر بھی میں پچیس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے نعلیٰ دانت نکلا کر اصلی دانت لگائے ہیں۔ ایک بندر سے غدوؤں کا تبادلہ کیا ہے۔ بندر تند رست اور بخیریت ہے۔ البتہ میں آج کل درختوں پر چڑھنے کی

مشق کر رہا ہوں اور بندر نے کوئی کام بپار کر لیا ہے۔“

لیڈی جہاگیر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی اور وہ آہستہ سے بولا۔
”کیا میں کم عجیب ہوں لیکن پھر بھی اتنا عجیب نہیں ہوں کہ کسی بوزھی عورت کو ہم رقص بنا کر جوان عورتوں کی توہین کروں۔“

”اس میں تو شک نہیں۔“ لیڈی جہاگیر مسکرا کر بولی۔ ”اس وقت بہتری جوان عورتیں زخمی سانپوں کی طرح بل کھاری ہیں۔“

”کیا کسی جوان عورت سے اُن کی دوستی نہیں؟“ لیڈی جہاگیر نے پوچھا۔

”نہیں! لیکن یہ جانے کیوں آپ کی طرف بہت شدت سے جگ رہے ہیں۔“

”اوہ..... آپ مجھے یہ قوف بنا رہے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ کم از کم ایک بار ضرور مجھ سے رقص کی درخواست کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسی عورت کے ساتھ آخر تک رقص کرتے رہیں گے۔“

”چھوڑیے اُن کا تذکرہ۔ اتنے عرصے سے میرا اُن کا ساتھ ہے لیکن میں بھی اب تک انہیں نہیں سمجھ سکا..... اور.....!“

حمدید اور کچھ کہنے جا رہا تھا کہ دھڑا ہال کے سارے قلعے بجھ گئے اور ساتھ ہی حمید کے جڑے پر ایک گھونسہ پڑا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے لیڈی جہاگیر کو محیث لیا تھا۔ ہال میں متواتر چینیں کو بجھنے لگیں۔ پھر حمید نے اندر ہرے میں لیڈی جہاگیر کی جیچ صاف پہچانی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اندر ہرے میں کسی کے روی الور سے شعلہ نکلا اور سارا ہال دھماکے سے گونج اٹھا۔ چینیں اور تیز ہو گئیں۔ عجیب انتشار اور بے چینی پھیل گئی تھی اور پھر اُس پر سے اندر ہیرا۔ حمید دیوانہ وار دوسروں سے نکلا تا پھر رہا تھا اُس کے ذہن میں لمبڑا چہرہ ناپنے لگا تھا۔ اگر اُس وقت اُسے فریبی مل جاتا تو وہ نہ جانے کتنی سلواتیں سنائے رکھ دیتا۔

پھر کئی نارچوں کی روشنیاں اندر ہرے میں چکنے لگیں۔ لوگ ابھی تک جیچ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں پھر روشنی ہو گئی اور حمید نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ ہال کے

فرش پر کئی ہوئے تھے۔ بھوٹ پڑی تھی اور بیتھی کھڑی تھی رہی تھیں۔ کسی کا ہار گم ہوا تھا اور کسی کے بالوں کے جزاں کلپ..... حمید لیڈی جہاگیر کو ٹھاٹھ کر رہا تھا۔

چہرہ در چہرہ

حمد فریدی کو بھی ڈھونڈ رہا تھا۔ پوری بلڈنگ میں زٹل سا آگیا تھا۔ لیڈی جہاگیر کے ملازم میں بدھواں میں ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ انہیں بھی لیڈی جہاگیر کے غائب ہو جانے کا حال معلوم ہو گیا تھا۔

تحوڑی دیر بعد لیڈی جہاگیر مل گئی۔ وہ پائیں باخ کے چالک پر پے ہو ش پڑی تھی۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ بس کئی جگہ سے پھنا ہوا تھا اور بال بے ترتیب سے اس کے پھرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

کسی نے ڈاکٹر کوفون کر دیا تھا اور ساتھ ہی پولیس کو بھی پولیس والے اور ڈاکٹر ساتھ ہی پہنچے۔ فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔

پولیس اسکندر حمید کو بیجان کر اس کی طرف بڑھا۔

”میں یہاں موجود تھا لیکن ہنگامے کی وجہ سے اتنا ہی بے خبر ہوں جتنے کہ آپ۔“ حمید نے کہا۔

پھر اس نے سارے واقعات بتا کر کہا۔ ”لیڈی جہاگیر میری ہم رقص تھی۔“

”اور اسی وقت یہ حادثہ پیش آیا۔“ سب اسکندر طنزیہ انداز میں مسکرا یا۔

”تم صرف روپرٹ لکھ کر واپس جاسکتے ہو۔“ قریب ہی سے آواز آئی۔

دونوں چوپک کر پڑے۔ فریدی اپنے ہونٹوں سے سگار نکال رہا تھا۔

"بے ہوش عورتوں کے بیانات لو۔" اس نے کہا۔ "اور ان عورتوں کے بھی جن کے زیورات چینے گئے ہیں۔"

"بہت بہتر۔" سب انکش نے آہت سے کہا اور ہاں سے ہٹ گیا۔

حید فریدی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا غما۔

"آخرنکل گیانا ہو۔" وہ ہمپنا ہوا بولا۔

"میں اسے پکونے کے لئے تو نہیں آیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا یہ ایک بد نماد اغذیہ کہ ہماری موجودگی میں۔"

"ہم فرشتے تو نہیں۔"

"افروز زخمی ہو گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی بجا ہوا سگار سلاگا کر بولا۔

"پھر بھی آپ۔"

"تو آپ ہی جا کر ہاتھ پر ماریے نا۔" فریدی طنز آمیز لمحے میں بولا۔ "میں تو نکلا ہو گیا ہوں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" حید مٹھیاں بھیج کر بولا۔ چند لمحے فریدی کو تیز نظروں سے گھوڑتا رہا

پھر تیزی سے چلتا ہوا ہاں آیا جہاں سب انکش بیانات لے رہا تھا۔

بیہوش عورتیں ہوش میں آپھی تھیں۔ ان کی بھی کوئی نہ کوئی چیز غالب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے

آن کی بے ہوشی کی وجہ ذر بتائی تھی۔ لینڈی جہاں گیر کو بھی ہوش آگیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی پیشانی

کے زخم کی مرہم پنی کر دی تھی۔ اس نے حید کو الگ بلا کر کہا۔

"میں سب کے سامنے اپنا بیان نہیں دوں گی۔"

"کیوں.....؟"

"بات ہی ایسی ہے۔ سب کے سامنے ڈلیل ہونا نہیں چاہتی۔"

حید استفہامی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج بھی کچھ لوگ مجھے اٹھا لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"اوہ.....!" حید بے چینی سے بولا۔ "کسی کو پہچانا آپ نے؟"

”خوبیں.....!“

”اپنے سب مہمانوں کو پہچانتی ہیں آپ؟“

”خوبیں کیوں.....!“

”میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان میں سے کون کون غائب ہے۔“

”تو کیا مہماں.....!“

”مجی ہاں.....بہت ملکن ہے کہ مجرم مہمانوں میں مل گئے ہوں۔“

”ہو سکتا ہے.....میں بھتیرے مہمانوں کو خوبیں پہچانتی۔ کیونکہ میں نے سرجا اگر کے وقت کی فہرست کے مطابق دعویٰ کارڈ جاری کئے تھے۔“

سب اپنے سب کے یہاں قلمبند کر کچنے کے بعد لیڈی جہا اگر کی طرف متوجہ ہوا۔ ساری عورتیں آج کی دعوت کو نہ ابھلا کہہ رہی تھیں۔ لوٹے ہوئے زیورات کا تختینہ ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ پورا ہاں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس پر وحشیوں کی کسی فوج نے حملہ کر دیا ہو۔ مہماں ابھی تک موجود تھے اور طرح طرح کی چیزیں گیاں ہو رہی تھیں۔ ان میں سے کتنی تھیں سراغ رسانی کو بھی نہ ابھلا کہہ رہے تھے کیونکہ تھکے کے دو بہترین افراد کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوا تھا۔

اس کے خواہش کے مطابق لیڈی جہا اگر کا یہاں علیحدہ کمرے میں لیا گیا۔ جہا صرف حید اور سب اپنے سب تھے۔

پھر دوسرا مہماں سے بھی پوچھ کچھ شروع ہوئی۔ لیڈی جہا اگر کے ملازموں کے یہاں قلم بند کئے گئے۔ ان میں سے چار کو حرast میں بھی لیا گیا۔ حالانکہ لیڈی جہا اگر ان کی نیک چیزی کی خلافت دے رہی تھی۔

فریبی سب سے الگ تھلک یہاں پر کہداں لیکے تھے کہ جائزہ لے رہا تھا۔ حید نے کئی بار اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ پائی۔ صرف اس کی عقابی آنکھیں متحرک تھیں۔ جسم اس طرح ساکت تھا جیسے اس نے کبھی حرکت نہ کی ہو۔

ذکا اس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔

”اگر اجازت دیجئے تو ان سب کی جامہ تلاشی لی جائے۔“

”تمہاری مرضی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ فریدی نے کہا اور جیب سے نیا سگار نکال کر لگانے لگا۔

سب انپکڑ نے معدودت کے ساتھ مجھ کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ لوگوں کے چہرے بگز گئے۔ کیونکہ وہ سب ذی حیثیت تھے۔ لیکن مجبوری..... آن میں بعض بلند آوازیں پولیس والوں کو نہ ابھلا کہہ رہے تھے لیکن آن کے احتجاج کے باوجود بھی کارروائی شروع کر دی گئی۔ حید پھر جلا کر فریدی کی طرف بڑھا۔

”کیا وہ ابھی تک بیہاں موجود ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

فریدی نے اثبات میں سرہلا دیا۔

”پھر آخر آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ مجھے بتائیے وہ کون ہے؟“

”ٹلاش کرلو۔“

حید پھر پختا ہوا اہل سے باہر نکل آیا۔ غصے میں اُسے راستے کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ ایک غلط راہداری میں آنکھا اور پھر اپنے اندازے کے مطابق راہداری کے اختتام پر واہنی طرف مڑ گیا۔ وہ جلد از جلد بیہاں سے نکل چاہتا تھا۔

دھناتار کی کے احساس نے اُسے چونکا دیا۔ وہ نہ جانے کہ نکل آیا تھا۔ چاروں طرف اندر چھرا تھا لیکن یہ بھی کوئی راہداری نہیں تھی۔ کیونکہ زمین پر بھی ہوئی چنائیوں کی وجہ سے خود اُسے اپنے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ کسی نے تجزیم کی سرگوشی کی ”خبر وہ۔“

آواز دور سے آئی تھی لیکن اُس کی گونج صاف بتاری تھی کہ بولنے والا راہداری ہی میں ہے۔ حید رک گیا۔ مگر درسے ہی لمحے میں اُسے معلوم ہو گیا کہ مخاطب وہ خود نہیں تھا بلکہ کوئی اور کیونکہ وہ اب دو آدمیوں کی سرگوشیاں اپنے قریب سے سن رہا تھا۔

”چنانکہ پر بھی پولیس موجود ہے۔“

”پھر.....؟“

حید دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا اور اپنی پھولتی ہوئی سانس کی آوازوں کو دیانے کی کوشش

کرنے لگا۔ ہال سے وہ شدید غصے کی حالت میں نکلا تھا اور پھر اس پر تیز رفتاری۔ اس کی سنیں تیز ہو گئی تھیں۔

”ٹلاشیاں شروع ہو گئی ہیں۔“ آواز پھر سنائی دی۔

”میں نکل جاؤں گا۔“ دوسرا آواز آئی۔

”اگر پکڑے گئے تو..... وہ دونوں مردوں بھی موجود ہیں۔“

حید ہونٹ بھینچ کر سر ہلانے لگا۔

”تو پھر ہتاوٹا.....؟“

”کیا ہتاوٹا؟“

”تم الہ ہو..... میں چہار دیواری پھلا گک کر نکل جاؤں گا۔ یہاں کہیں چھپانا نمیک نہیں۔“

”تم جانو.....!“

”پھر حید کے قریب سے دو سائے گزر گئے۔ حید انداز آچتا رہا۔ زمین پر مینگ ہوتے کی وجہ سے قدموں کی آواز نہیں سنائی دی رہی تھی۔ دوسرا راہداری کے سرے پر کسی کمرے کی روشنی پڑ رہی تھی۔ حید نے ہاں دونوں کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی۔ وہ تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔ پھر اس نے انہیں پائیں باغ میں اترتے دیکھا۔ یہاں انہیں راتھا۔ البتہ تاروں کی چھاؤں میں اسے دو سائے دکھائی دے رہے تھے۔ حید مہندی کی باڑھوں کی آڑ لیتا ہوا ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ وہ چیز ہے وہ چھپانا چاہتے تھے نہ جانے ان میں سے کس کے پاس تھی۔ اگر وہ ان سے بھڑک گیا تو ممکن ہے کہ ایک تو نکل یہ کوشش کرتا تو وہ نکل ہی جاتے۔

وہ دونوں چہار دیواری کے نیچے بچنچ چکے تھے۔ پھر ان میں سے ایک زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرا اس کے کانہ سے پر پیر کھنک رہا تھا کہ حید بے اختیار ہیچ پڑا۔ ”خبردار اپنے ہاتھ اور پر اٹھاؤ۔“ دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہاتھ اور انٹھاو" حمید نے پھر لکارا۔ اُس کے دلپنے ہاتھ میں اُس کا فاؤنسنین پن تھا۔ اُسے قلع تھی کہ وہ اندر سے میں دور سے پستول کی نال ضرور معلوم ہو گا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ اور پر انٹھائے تھے۔

حمد آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں کافی دری سے اندر سے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ اُن دونوں میں سے ایک نے دیہن کوئی چیز گرامی تھی جسے حمید نے صاف دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے؟" "آن میں سے ایک بولا۔"

"کہاں بھاگ رہے تھے؟" حمید نے گرج کر پوچھا۔

دونوں خاموش رہے۔

"واہنی طرف مڑو۔" حمید نے کہا۔ "اور جل پڑو۔ کوئی حرکت کی تو بھجا صاف۔"

دونوں چلنے لگے۔ حمید تیزی سے دیوار کے قریب آیا۔

"چلتے جاؤ۔" اُس نے پھر لکارا۔ گھاس پر پڑی ہوئی پوٹی اُس کے ہاتھ آگئی تھی۔

"بائیں مڑو.....!" وہ جلق کے بل چینا۔ پوٹی کچھ وزنی تھی۔ اس کا دل بیلوں اچھتے لگا۔

"وہ مارا.....!" اُس نے دل ہی دل میں کھا اور پھر وہ اُس ڈرامائی وقوع کے متعلق ہوا تی

قلعے بننے لگا جس سے فریدی کو دوچار ہونا تھا۔

چانگ کے قریب پہنچ کر اُس نے ان دونوں کو پولیس کا نشیلوں کے حوالے کر دیا اور انہیں فاؤنسنین پن دکھاتا ہوا بولا۔ "دیکھو..... یہ رہا پستول" پھر وہ قیچیہ لگاتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جس طرح فریدی آہستہ آہستہ پوری بات بتا کر دوسروں کو حیرت زدہ کرتا ہے اس وقت وہ بھی وہی طریقہ اختیار کرے گا۔ بھی وجہ تھی کہ اُس نے گرفتار شدگان کو اندر لے جانے کی بجائے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ حمید حقیقتاً حق نہیں تھا لیکن اس وقت اُس پر دادخواہی کا بجوت سوار تھا اور ظاہر ہے کہ اُسے یہ داداں عورتوں کی طرف سے ملتی جن کے زیورات لوٹے گئے تھے۔ لہذا اُس کا اپنی کھوپڑی کی حدود سے نکل جانا بحق تھا۔ اُس نے جلدی میں اُن دونوں کی شکلیں دیکھنے کی زحمت کوارانہ کی۔

ہال میں ابھی تک لوگوں کی جامد تلاشی لی جا رہی تھی اور حمید نے فریدی کو بدستور پیانو ہی پر پایا۔ وہ پہلے ہی کی طرح اپنی دوفوں کہیاں پیانو پر بیٹھے مجھے کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید نے زیورات کی پوٹلی اُس کے سامنے ڈال دی اور جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے چوک کر چھپے ہٹ جانا پڑا۔ نہ جانے کیوں اُس کے جسم کی سرے روئیں کھڑے ہو گئے تھے اور سر سے چیر تک ایک خندی اہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ وہ فریدی آنکھیں تھیں یا کسی خوفناک دردے کی۔ اُس نے حمید کو سر سے چیر تک دیکھا اور پھر اُس کی طریق جواب طلب انداز میں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔

”لئے ہوئے زیورات.....!“ حمید آہتا سے بولا۔

”کہاں ملے؟“

”دوآدمیوں کے پاس سے برآمد کیے۔ وہ حرast میں ہیں۔“

”آہم..... اچھا.....!“ فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی۔ یا انکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ گھری نیند سے چوک کر اٹھا ہو۔ پھر اُس نے سب انپکڑ کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”مُہریے۔“
جمع پر سنانا چھا گیا۔

”لوٹا ہوا مال برآمد کر لیا گیا ہے۔“ اُس نے بلند آواز میں کہا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ہال میں تیر قسم کی بھجنستاہٹ گوئی بخوبی گئی۔

لئی ہوئی عورتیں بے تحاش پیانو کی طرف لپکیں۔

”مجھے افسوس ہے۔“ فریدی نے اُن سے کہا۔ ”عدالتی کارروائی شناخت سے قتل نہ تو یہ آپ کو واپس مل سکیں گے اور نہ دکھائے ہی جائیں گے۔“

اس دوران میں بھی اُس کی نظریں جمع ہی کی طرف ریں۔

عورتیں بڑی بڑی ہوئی واپس چارہ تھیں اور فریدی کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُس کے کافنوں تک اُن کی آوازیں پہنچ ہی نہیں رہی ہیں۔

”مُہریے۔“ ایک بار پھر فریدی کی آواز گوئی۔ ”آپ..... جو باہر جا رہے ہیں۔“

حمد کی نظریں بے ساختہ اُس طرف اٹھ گئیں جو در فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ ایک آڑی

دروازے میں کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک اوچیز عمر کا تو انا اور تدرست آدمی تھا۔ حمید اس سے اچھی طرح واقع تھا۔ یہ شہر کے ایک مشہور نائب کلب کا نیجر مشرڈا ملے تھا۔

”آپ کس کی اجازت سے باہر جا رہے تھے؟“ فریدی اس کی طرف بڑھا۔

”کیا ابھی کوئی اور جنینجھٹ باتی ہے؟“ اس نے حقارت آمیز لمحہ میں کہا۔

”صرف ایک اور.....!“ فریدی نے اس کے بالوں کو منبوطي سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے بالوں سمیت اس کے چہرے کی کھال کھینچ لی ہو۔ خصوصاً حمید کی آنکھوں کے سامنے تو بھلی سی چک گئی اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا.....
”لبورا چہروہ۔“

”وسرے لمحے میں وہ اچھل کر اس پر جا پڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔“ بھی حمید اور پر نظر آتا تھا اور بھی وہ لوگ بدحواسی میں ان کے گرد اکٹھا ہوتے جا رہے تھے۔ لبورا چہرے والا لاثنے سے زیادہ نکل بھاگنے کی فکر میں تھا۔ مگر حمید جونک کی طرح پٹ کر رہ گیا تھا۔ آخر کار پولیس والوں نے اس چدوجہد کا خاتمہ کر دیا۔

لبورا چہرے والے کو ہھڑیاں لگائی جاوی تھیں اور فریدی کی نظریں اب بھی کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

حمد نے پھر آگے بڑھ کر لبورا چہرے والے کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ پورے ہال میں شاید ہی کوئی ایسا چہروہ رہا ہو جس پر حرمت کے آثار نہ ہوں۔ مشرڈا ملے کے قریب دوست اسے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ وہ شخص جسے وہ سالہاں سال سے ڈاٹے کی ٹھلل میں دیکھتے آئے تھے ان کے سامنے اجنبیوں کی طرح کھڑا تھا۔

ڈاکٹر نے لیڈی جہانگیر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن جیسے ہی اس کے کافنوں تک اس نے واقع کی خبر پہنچی وہ نگئے چیر دوڑتی چلی آئی۔

”اے یہ مشرڈا ملے.....؟“ وہ حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ”خوبیں یقیناً آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

اس کے قریب کھڑے ہوئے ایک مہمان نے ایک ہی سائنس میں سارا واقعہ دہرا دیا۔

”میرے خدا.....!“ وہ تجھر آمیز بچہ میں بولی۔

”آپ نے اس سے پہلے بھی یہ دلکشی کی تھی؟“ حید نے اس سے پوچھا۔

”نہیں کبھی نہیں..... کہیں نہیں۔“ وہ اپنا چہرہ چھپا کر بولی۔ ”آج میرا گھر بنا م ہو گیا۔“

پھر وہ سکیاں لے لے کر رونے لگی۔ ”میں کسی کو مند کھانے کے قابل نہ رہ گئی۔“

”اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔“ حید نے اسے تسلی دی۔ ”لئے ہوئے زیورات بھی مل

گئے ہیں۔“

”اوہ.....!“ آنسو پوچھ کر حید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

”آپ نے میری عزت رکھ لی۔“

قرب ہی ایک لاٹکی دوسری سے کہہ رہی تھی۔ ”جس زمین پر ان دونوں کے قدم پڑتے ہیں وہاں کوئی تحریت انگیز واقعہ ضرور ہوتا ہے۔“

دو فارِ

مہماں ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ لئی ہوئی عورتیں دیر تک فریدی اور حید کو گھرے رہیں۔ بدقت تمام وہ دونوں اُن سے چیچھا چھڑا سکے۔

”اور وہ دونوں کہاں ہیں؟“ فریدی نے حید سے پوچھا۔

”بامہر.....!“

”تو آؤ بامہر ہی چلیں۔“

زیورات کے متعلق ضابطے کی کارروائی ہو پہنچی تھی۔ سب انکیز مجرم سمیت جانے کے لئے تیار تھا۔ وہ بھی فریدی اور حید کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلے۔ پائیں پانچ کے چھانک پر کاشیبل

موجود تھے۔

”وہ دونوں کہاں ہیں؟“ حمید نے ہینڈ کا نشیل کو مخاطب کیا۔

”وہ دونوں..... ہی ہی ہی۔“ ہینڈ کا نشیل نے دانت نکال دیئے۔ ”وہ تو کب کے چلے گئے۔“

”کیا.....؟“ حمید کا ان پھاڑ دینے والی آواز میں چینا۔

”جی ہاں.....!“ اس نے سہم کر کہا۔ ”انہوں نے کہا۔“ کہ تمہارے سارجنٹ

صاحب.....!“

”کیا بکواس ہے..... بکو بلدی۔“ حمید جھلا گیا۔

”انہوں نے کہا تھا کہ سرجنٹ صاحب پڑھنے ہوئے ہیں۔ ہم ان کے دوست ہیں۔ انہوں نے ہم سے مذاق کیا ہے۔“

”اور تم نے یقین کر لیا.....؟“ حمید دانت میں کر بولا۔

”تو صاحب آپ ہی نے ٹھیک سے بات کی ہوتی؟“ ہینڈ کا نشیل کے لجھ میں عجی تھی۔

”کیا آپ نے ان کے سامنے فاؤشنین پن نچا کر اسے پستول نہیں کہا تھا؟“

حمدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر بازار اس کے سر پر چپت رسید کر دی ہو۔ وہ سونے لگا کر حیثا غلطی اسی کی تھی۔ اس کی اس حرکت پر اسے شرایبی تو کیا پاگل بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ اسے چاہئے تھا کہ مجرموں کو پرد کرتے وقت کا نشیلوں کو سب کچھ سمجھا دیتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ سب ان پکڑ بھی قریب ہی کمڑا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے حمید سے پوچھا۔

حمدی ہنسنے لگا۔

”کوئی بات نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”میں نے اپنے دوستوں سے مذاق کیا تھا۔ لیکن وہ

ادھورا ہی رہ گیا۔“

”اچھا.....!“ سب ان پکڑ ہنسنے لگا۔ ”بھر تھوڑی دیر بعد بولا۔“ وہ مجرم کہاں ہیں جنمیں

آپ نے پکڑا تھا۔“

”ان کا مسئلہ فی الحال نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا جو اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ حمید سے

اس سلسلے میں ضرور کوئی حماقت ہو گئی ہے۔

”لیکن میری رپورٹ.....؟“ سب انپکڑ نے کہا۔

”وہ تو میرے خیال سے ابھی تک نامکمل ہی ہو گی۔“

”جی ہاں۔“

”تو اسے اس طرح نامکمل کرو کر لوٹا ہوا مال لے کر مجرم فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ کاشیبلوں نے انہیں جالایا۔ کافی دیر تک جدوجہد ہوتی رہی اور وہ لوٹا ہوا مال چھوڑ کر فرار ہو گئے۔“

”مگر.....!“

”میں انہیں اپنے طور پر حاضر کر دیں گا۔“ فریدی سگار سلاگانا ہوا بولا۔ ”آن کا ہاتھ اس سے بھی گہرے بعض معاملات میں رہا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ لیکن رپورٹ اُسی طرح نامکمل کرنا چیز میں نے کہا ہے۔“

سب انپکڑ نے لمبتوتے چہرے والے کو پولیس کی لاری میں سوار کر دیا، جو فریدی اور حمید کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔

آن کے چڑے جانے کے بعد فریدی حمید کی طرف پلاتا۔

”ہاں اب تم بک چلو.....!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

حمد نے انک کر پورا واقعہ دہرا دیا۔

”نہ جانے تمہارا بچپن کب رخصت ہو گا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوئی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دنوں پھر اُسی ہاں میں آئے۔ یہاں کی ایتری دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں رنگ روپیاں منائی جاتی رہی ہوں گی۔ ہاں کے وسط میں لیڈی جہاں گیر خاموش کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا چیزے اُسے سکتے ہو گیا ہو۔ فریدی اور حمید اُس کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ خلاء میں نظریں جھائے کھڑی تھی۔

”مجھے آج کے حادثے پر افسوس ہے محترمہ.....!“ فریدی نے کہا۔

لیڈی جہاں گیر چونک پڑی۔ اُس کے ہونتوں پر ایک بے جانی مسکراہٹ کھل رہی تھی۔

پھر وہ ایک سانس بھر کر فریدی کی طرف پر خیال انداز میں دیکھنے لگی۔

”میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔“ فریدی پھر بولا۔ ”لیکن آپ کو بھی کیا سکتی تھیں۔“

”میں ڈاٹلے کو مر سے سے جانتی تھی۔“

”ہم بھی جانتے تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس کی دوسری حیثیت آج ظاہر ہوئی۔“

”آپ اُسی کی قید میں تھیں۔“ حمید بولا۔

”اب سارے معاملات میری سمجھ میں بھی آرہے ہیں۔“ لیڈی جہانگیر نے کہا۔

”کیا.....؟“ فریدی نے اپنی نیند سے بو جھل آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

”..... میں نے بجھ سے شادی کا خواہش مند تھا۔“

”حاملہ صاف ہے۔“

اس نے پہلی بار اس مقصد کے حصول کے لئے آپ کو مقید کیا تھا۔“

”لیکن.....!“ وہ فریدی کی طرف دیکھ کر رہا گئی۔

فریدی استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

”لیکن اس طرح اس کی مقصد برداری کیوں کر ہوتی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی دوسری حیثیت بھی پر نہ ظاہر کرتا۔“

”ٹھیک ہے لیکن ڈاٹلے کی حیثیت سے وہ آپ کو اتنا زبر بار احسان ضرور بنائے کرنا تھا۔“

”کس طرح؟“

”ڈاٹلے کی شکل میں آپ کو اپنی ہی قید سے رہائی دلا کر۔“

”اوہ.....!“ اس نے فریدی کی طرف تحریر آمیز نظروں سے دیکھا۔ ”لیکن اب میں کیا کروں۔ میرا گھر تو آج بدنام ہی ہو گیا۔“

”اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہاں کا کوئی اخبار اس حادثے کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا اور آپ کے مہمانوں کی غلط نہیں رفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔“

”میں کس زبان سے آپ کا شکر یہ ادا کروں۔“

”کسی سے بھی نہیں۔“ حمید نہیں کر بولا۔ ”ہم یہ سب کچھ اخلاقاً نہیں کرتے بلکہ مجبوراً کریں گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں بھی۔“ افروز کے چہرے پر ہوانیاں اڑنے لگیں۔

فریدی نے بھی حمید کو گھور کر دیکھا۔

”دستوں کے لئے مجبوراً پاپڑ بننے پڑتے ہیں۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔

”اس میں تو کوئی شہرہ نہیں کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔“

افروز آہستہ سے بولی۔

”خیر..... خیر..... میں بھی آپ ہی کی طرح رکی باتوں کا قائل نہیں۔“ فریدی مکرا کر

بولا۔ ”میں نے آپ کے بیہاں مستقل طور پر دو کاشیبلوں کی ڈیوبنی کا انظام کر دیا ہے۔“

”میں کس زبان سے۔“

”پھر آپ نے وہی رکی بات چھیڑی۔“ فریدی پھر مکرا میا۔ ”اگر آپ ضروری بحثی ہوں تو

آج رات حمید صاحب بھی بیہاں رہ سکتے ہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”دیکھئے! میں نہ کہتا تھا کہ ہر آدمی کبھی نہ کبھی رکی باتیں کرنے پر مجبور ہوئی جاتا ہے۔“

”بخاری میرے حقیقی جذبات ہیں۔“ افروز نے سنجیدگی سے کہا۔

”خیر اچھا..... میرے لاائق کوئی اور خدمت.....؟“

”آپ مجھے شرمende کر دے ہے ہیں۔“

”پھر وہی رکی جملہ.....!“

”میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔“ افروز نہیں کر بولی۔

”اچھا تو حمید صاحب..... شب بخیر۔“ فریدی نے کہا اور لمبے قدم بڑھاتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔

”آئیے.....!“ افروز تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔“

”اوی.....!“ حمید چوپک پڑا اور بے جان سی بُھی کے ساتھ کہنے لگا۔ ”مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں اس ڈالٹے کے بیچ کی اچھی طرح مرمت نہ کر سکا۔“

”خیر آئے! ایک بج رہا ہے۔ آج رات کی نیند تو گئی۔“

”نیند تو مجھے بھی نہ آئے گی۔“

افروز حمید کو ایک کمرے میں لے آئی۔ غالباً یہ اُس کے سونے کا کمرہ تھا۔ یہاں ہر دو چیز موجود تھی جو ایک آرام طلب اور رُنگیں مزاج عورت کے سونے کے کمرے میں ضروری ہو سکتی ہے۔

”بیٹھئے۔“ اُس نے ایک آرام کری کی طرف اشارہ کیا اور خود ایک کھڑکی کھول کر اُس کی قریب کھڑی ہو گئی۔

حمدیہ کی نظریں ایک تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کسی مشاق مصور کا کارنامہ تھا۔ ایک عربیاں اور جوان عورت جس کے ہاتھوں اور بیرون میں بھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک بڑا ساسانپ اُس کے جسم سے پلتا ہوا اُس کے چہرے پر پھن مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وختا افروز حمید کی طرف مزدی اور اس کا انہاک دیکھ کر بے ساختہ سکرا پڑا۔

”کیا یہ تصویر.....!“ افروز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”کسی شریف عورت کی خواب گاہ کے لئے محبوب بھی جا سکتی ہے۔“

حید چوپک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں تو تصویر کی طرف تھیں لیکن ذہن کیں اور تھا۔ وہ فریبی کے اس عجیب و غریب روئے کے متعلق سوچ رہا تھا جو اُس نے کچھ دیر قبل اختیار کیا تھا۔ صرف وہی نہیں آج رات اس عمارت میں قدم رکھتے ہی حمید نے ایک عجیب قسم کا تغیر محسوس کیا تھا جسے وہ اب تک کوئی مخفی نہیں پہتا سکا تھا۔ اُس کے ذہن میں بیک وقت کی سوال ابھر آئے تھے۔ اس پر افروز کے سوال نے جو بالکل ہی مختلف النوع تھا اسے ذہنی انتشار میں چلا کر دیا۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ.....؟“ وہ بُھس کر بولی۔

”کچھ نہیں! میں اسی تصویر کے متعلق غور کر رہا تھا۔“

"تآپ اسے فاش کیجھتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ میں اسے آرٹ ہی کھینچنے پر مصروف ہوں گا۔" حمید سکرا کر بولا۔

"یہ تو مشکل ہے کہ عام طور پر آرٹ اور فناشی کے نازک فرق کو بہت کم لوگ کھینچتے ہیں۔"

"میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن پھر بھی مجبوری اور

جوانی کے اس خوبصورت تجھیل کی قدر ضرور کر سکتا ہوں۔"

"حمید صاحب! میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔" افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کی

لامین کے لوگ عموماً صرف مختلط ہوتے ہیں۔ لیکن آپ..... اونہ میں بھی کہاں بہک رہی ہوں

شاید پاگل ہو جاؤں گی۔"

وختا وہ اپنا سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"کیوں کیا ہوا.....؟" حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں۔" افروز سراٹھا کر بولی۔ "وہ کچھ خوفزدہ ہی نظر آنے گی تھی۔"

حمد خاموش ہو گیا۔

"کون کہہ سکتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "کہ یہ میری زندگی کی آخری رات نہیں سے۔"

"کیوں.....؟"

"مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے جیسے میری موت قریب ہو۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔" حمید نہیں پڑا۔

"آپ ہی کے بیان کے مطابق ڈالٹے کسی بڑے گروہ کا سراغنہ تھا۔"

"ہاں تو پھر.....؟"

"کیا اُس کے ساتھی..... وہی حرکت نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے..... لیکن میں یہاں جنک مارنے کے لئے تو نہیں رک گیا۔"

افروز خاموش ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ گلرمندی اور خوف کے آثار نے اسے نہ جانے کیوں اور زیادہ حسین بنادیا تھا۔ اُس کے دوفوں ابر و دوں کے درمیان ایک نازک سی لکیر ابھر آئی تھی اور ہونٹ قدر سے کھل گئے تھے۔ جن سے دانتوں کی چک جھلکیاں مار رہی تھی۔

”لیکن.....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”آپ بیکار پر بیٹھاں ہیں۔“ حمید نے اُسے تسلی دی۔

”اس وقت ایک خیال اور پیدا ہوا ہے۔“ افروز نے آہستہ سے کہا۔

”وہ کیا.....؟“

”میں یہ نہیں کہتی کہ میرا خیال بچ ہی ہو۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اس کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔“

”آپ تو پہلیاں لے بیٹھیں۔“ حمید اکتا کر بولا۔

”شاید فریدی صاحب مجھ پر بھی شبہ کر رہے ہیں۔“

”کمال کر دیا۔۔۔ شاید آپ اختلاج قلب کی مربیض ہیں۔“ حمید نفس کر بولا۔

”نہیں حمید صاحب۔۔۔ میں قطی سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں ایسا سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کیا آپ ان حالات میں یہ نہ سمجھیں گے کہ میں بھی اُسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں؟“

”کون سے حالات.....؟“

”یہاں پر ڈاٹے کی موجودگی۔۔۔ میرا خیال اب بھی بھی ہے کہ وہ مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا اور اسی لئے اُس نے یہ حرکت کی۔ لیکن آپ کے ذہن میں تو وہ عورتیں بھی ہوں گی جو خواہ مخواہ لوٹی گئیں۔ اگر اُسے صرف مجھے لے جانا تھا تو اُس نے اتنا ہنگامہ کیوں برپا کرایا؟“

”ظاہر ہے کہ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ وہ اچھے خاصے ڈاکوؤں کا گردہ ہے۔“

”حمد صاحب! آپ مجھے اطمینان نہیں دلا سکتے۔ فریدی صاحب کو مجھ پر شبہ ہے۔“

”آخر آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہی ہیں؟“

”کیا بھی انہوں نے رکی گنگو کے سلسلے میں میرا مسحکہ نہیں اڑا دیا تھا۔“

افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ ”حالانکہ یہ اس کا موقع نہیں تھا۔“

"اوہ.....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ ان کی عادتوں سے واقع نہیں۔ اسی لئے ایسا کہہ رہی ہیں۔ بعض اوقات ان کی زبان بڑی سفاک ہو جاتی ہے۔"

"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔ خیر ہو گا ماریے گوئی۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔"

جب سے میں نے ہوش سنجا لایا ہے کسی نہ کسی الجھن میں ہی شجرا تارہی ہوں۔"

"میں کس طرح آپ کی غلط فہمی رفع کروں؟" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "فریدی صاحب دو دھنپتے پنچ نہیں ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو چھانک پر بے ہوش نہیں دیکھا تھا۔ کیا یہ آپ کی پیشانی کی چوتھ مصنوعی ہے؟"

"کیوں؟ کیا کوئی مجرم اپنا جرم چھپانے کے لئے یہ سب نہیں کر سکتا۔ ایک سراغ رسال یہ بھی تو سوچ سکتا ہے کہ میں نے خود ہی اپنا سر پھوڑ لایا ہو گا۔ محض اس لئے کہ اس کا شہر رفع ہو جائے۔"

"واللہ میں آپ سے نہیں جیت سکتا۔" حمید ہنس کر بولا۔ "یقیناً آج کل آپ کا معدہ خراب ہے۔ خراب معدے سے اٹھنے والے اخبارات ذہن میں الجھن اور دوسروں کی طرف سے بے بنیاد شبہات پیدا کرتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے بہی بات ہو۔" اس نے آہت سے کہا۔

"ایک صاحب کا واقعہ یاد آ رہا ہے۔" حمید اپنے مخصوص لمحے میں بولا۔ وہ لمحہ جو دھن کوئی لطیفہ نانے سے قبل اختیار کرتا تھا۔ "آن کا معدہ خراب رہا کرتا تھا۔ معدے سے اخبارات اٹھ کر ذہن میں پہنچتے اور پھر سارا زمانہ انہیں اپنادشمن معلوم ہونے لگتا۔ ایک رات انہیں نیند آ رہی تھی۔ اخبارات بر ایک اٹھ رہے تھے۔ اچاک آن کا کتا بھوٹکنے لگا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن اس کی آواز پر لیکا یک آن کے دماغ نے قلا بازی کھائی۔ وہ سوچنے لگے کہ جب ایک آدمی اشرف اخبارات ہونے کے باوجود بھی احسان فراموش ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کسی وقت جانور کا بھی دماغ نہ الٹ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی رات آن کا کتا ہی آن کی گردن دبوچ پیشے۔ جب آدمی کا اعتبار نہیں تو کتے کا کیا بھروسہ۔ وہ تھوڑی دریکھ پڑے الجھتے رہے پھر اٹھے اور کتے کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا لیکن جیسے ہی کمرے میں جانے کے لئے مڑے کتا پہنچے کھڑا دکھائی دیا۔ اب تو کچھ آن پر بدحواسی کا دورہ پڑ گیا۔ بھلا کتا دوبارہ اندر کیسے آ گیا۔ اگر وہ اٹھارہ فٹ

اوپھی دیوار پھلا گک کر آیا ہے تب تو یقیناً اس کی نیت میں خور ہے۔ بس پھر کیا تھا طبق چھاؤ چھاؤ کر چھنا اور دوڑنا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر نہ صرف گھر کے دوسرے لوگ بلکہ اڑوس پڑوس والے بھی دوڑ پڑے۔ کافی اودھم رہی۔ بعد کوپے لاکہ انہوں نے کتنے کے دھوکے میں بکری کو باہر نکال دیا تھا۔ کشاورز سے آخر تک گھری میں باہتھا۔

افروز جس پڑی۔

"واقعی حید ساحب! خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا آپ کا ہر وقت کا ساتھ ہو۔" اس نے کہا۔

حید کا وزن کئی پونڈ بڑھ گیا۔

"لیڈی.....!"

"افروز.....!" وہ احتیاج بات تھا اخما کر بولی۔

"لیکن مجھے مٹھائی زیادہ اچھی نہیں لگتی۔"

"یعنی.....؟"

"اس نام پر زبان کی جڑ تک مشیحی ہو جائے گی۔"

"بنانے لگے۔" افروز نے اس انداز میں کہا کہ حید کا دل دھڑکنے لگا اور وہ سوچنے لگا کہ

کہیں "خرب اخلاق" لڑپچھر قسم کی کوئی حرکت نہ ہو جائے۔

"میں حق کہہ رہا ہوں۔" حید کی آنکھیں نشلی ہو گئیں۔

افروز کچھ کہنے والی تھی کہ دھڑکا قریب ہی ایک فائر ہوا اور ٹھیک کرے کی کھڑکی کے نیچے ہی ایک چیخ سنائی دی۔

افروز اچھل کر حید پر آگری۔ وہ نبڑی طرح کانپ رہی تھی۔ حید اسے مسہری پر ڈال کر کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ دوسرا فائر ہوا اور گولی کھڑکی کے اوپر گلی۔ حید کھڑکی بند کر کے دروازے کی طرف بھاگا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" افروز خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"ڈر نہیں۔" حید نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

کوئی کے ملازم میں بدحواہی میں عقیٰ پارک کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔
پھر تھوڑی دیر کے بعد حمید نے افروز کی خواب گاہ کی کھڑکی کے نیچے ایک آدمی کو خاک د
خون میں لٹھرا ہوا پایا۔ گولی ران میں لگی تھی۔ زخمی کے قریب ہی ایک ریو اور پڑا تھا۔ حمید نے
اُسے رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔ اُس میں سارے کارتوں موجود تھے۔ نال سے بارود کی بویگی نہیں
آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد افروز بھی دہاں بھی گئی۔

"کیا مر گیا.....؟" وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"نہیں بے ہوش ہے۔" حمید نے پر خیال انداز میں کہا اور آگے بڑھ کر دیوار پر کچھ دیکھنے لگا۔

"یا خدا..... یہ کیا مصیبت ہے۔" افروز نے کہا اور خود بھی گر پڑی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

حمدید پھر پولیس کو فون کر رہا تھا۔

ایک چال

دوسرے دن اُنکھڑ فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"ڈاٹلے حوالات سے فرار ہو گیا۔"

"کیا.....؟" حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ رات بھر جائے رہنے کی وجہ سے یوں بھی اُسکی
آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ ابھی تک جھاگیر پولیس والی فائر گگ کا معرب بھی حل نہیں ہوا تھا۔
اُس پر اُسے یہ حیرت انگیز خبر سنی پڑی۔ کوتوالی کی مسلح حوالات سے نکل بھاگنا آسان کام نہیں تھا۔
"یہ ناممکن ہے۔" وہ خود بخود بڑا بڑا۔

"ناممکن۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ لفظ ٹیپولین کی ڈشتری میں نہیں تھا۔"

حید پھر سوچ میں پڑ گیا۔ حالانکہ ایسے موقع پر کسی سوچ میں پڑنے ہی فضول تھا مگر وہ اپنے اوگھتے ہوئے دماغ کو کیا کرتا جو کسی ایک خیال سے چٹ کر سوچانا چاہتا تھا۔

”آخ رس طرح نکل گیا.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”جس طرح میں نے چاہا۔“

”آپ نے؟“ حید کے اوگھتے ہوئے دماغ نے سنجالا لیا۔

”ہاں.....میں نے۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”اُس سے کچھ اگوالیما بہت مشکل کام تھا۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“ حید کے لبھ میں تحریر تھا۔

”کیوں..... ظاہر ہے کہ میں اس سلطے میں اپنے مخصوص طریقے نہیں اختیار کر سکتا تھا کیونکہ سوں پولیس نے برادرست اُسے پکڑا تھا۔ اگر آدمی ہے گھنٹے کے لئے بھی وہ میرا تھہ خانہ دیکھ لیتا تو اُسے حوالات سے فرار ہونے کا موقع ہی نہ دیا جاتا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”تم تو سور ہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بچپنی رات ذرا خوشنگوار تھی تھی۔“

”بچپنی رات.....؟“ حید دانت پیس کر رہ گیا۔

”کیوں؟“ فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ وہ بیچ کر نکل گیا۔“

”کون.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وہی جس نے اُس پر گولی چلائی تھی۔“

”اچھا زخمی ہونے والا کون ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں؟ آپ سبھی کہیں گے تاکہ وہ انہیں مجرموں کا ساتھی ہے۔“

”قطیعی..... وہ بھی ڈاٹلے کے ساتھیوں میں سے ایک ہے۔“ فریدی بولا۔

”لیکن اُس پر گولی چلائی کس نے؟“

”تم ابھی کہہ رہے تھے کہ جسمیں افسوس ہے کہ وہ بیچ کر نکل گیا۔“

”اور اب بھی سبکی کہتا ہوں۔“

”آخ رکیوں؟“

”اس لئے کہ وہ بھی قانون کی گرفت میں آسکا ہے۔“ حمید بولا۔

”خیر..... خیر.....!“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ وہ ہاتھ میں روپالور لئے اس

کھڑکی کے نیچے کیا کر رہا تھا؟“

”موت کا انتظار.....!“ حمید نے کہا اور اٹھ کر ٹبلٹے لگا۔

”اگر حملہ آور تمہیں مل جاتا تو کیا کرتے؟“ فریدی نے سمجھی سے کہا۔

”ھھڑیاں ڈال دیتا۔“

”اچھا.....!“ فریدی نے مسکرا کر اپنے ہاتھ حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید اسے گھورنے لگا۔

”یہ غیر قانونی حرکت میں نے عی کی تھی۔“

”آپ نے؟“

”ہاں اور اگرنہ کرتا تو تم اس وقت چار آدمیوں پر سوار نظر آتے۔“

”تو آپ بھی وہیں رہ گئے تھے؟“

”قطعی.....!“

”آخ رکیوں؟“ حمید نے پر خیال انداز میں کہا۔ ”تو کیا افروز کا خیال درست ہے۔“

”کیا خیال.....؟“

”یہی کہ آپ اس کی طرف سے مخلوک ہیں۔“ حمید نے کہا اور لیٹھی جھائی کی ساری گفتگو دہرا دی۔

فریدی کی پیشانی پر ٹکنیں پڑی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

”لیکن آپ نے مجھے وہاں کیوں چھوڑ دیا تھا؟“ حمید نے پوچھا۔

”اوی.....!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”محض اس لئے کہ تم افروز کی حفاظت کرو اور میں

تمہاری۔“

”لیکن آپ کے رویہ نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آپ حقیقتاً اس کی طرف سے مخلکوں ہیں۔“

”کیسا رویہ؟“

”اس سے پہلے آپ نے بھی مجھے کسی عورت میں دلچسپی لینے پر مجبور نہیں کیا۔“

”اگر میں تمہیں اس پر مجبور نہ کرتا تو آج ہم ڈاٹے کو پکلوں نہیں سکتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اس عورت کے قریب رہ کر ہمیں بھروسہ ملک پہنچنے میں آسانی ہو گی۔ وہ آسانی سے اس کا چیخھانہ چھوڑ دیتے۔“

حید چند لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”ڈاٹے کس طرح فرار ہوا.....؟“

”چھوڑنے والے نے اسے اس شرط پر چھوڑا ہے کہ وہ کسی طرح مجھے قتل کر دے گا۔“

”آپ کو.....؟“ حید پوچک کر بولا۔

”ہاں.....!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ”ڈی-ائیس-پی جیل نے اسے اسی شرط پر چھوڑا ہے۔“

”ڈی-ائیس-پی جیل نے؟“ حید کی حرمت بڑھ گئی۔ کیونکہ ڈی-ائیس-پی جیل اور فریدی کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں اسے خیال آیا کہ کچھ دیر قبل فریدی کہہ چکا ہے کہ ڈاٹے کو اسی کی ایماء پر فرار کا موقع دیا گیا تھا۔

”واقعی تم جا کر سور ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آج بہت کام کرنا ہے۔“

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”یہ محض اس لئے کیا گیا کہ اسے اس رعایت پر حرمت نہ ہو۔ بہر حال اب میں یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا۔ کیونکہ حوالات سے نکلتے ہی میرے آدمی اُس کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔“

”لیکن آخر تنا چیز ہے راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ حید نے پوچھا۔

”بہتر ہے کہ تم جا کر سور ہو۔“ فریدی اس کا شانہ چھکتا ہوا بولا۔ ”ابھی کچھ ہی دیر قبل میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ پولیس اس سے کوئی کام کی بات معلوم نہ کر سکی۔ یہ بھی واضح رہے کہ

وہ اس گروہ کا سر غنہ نہیں ہے۔“

”کیوں؟ کیا اُسی گروہ کا ایک اور فرد بھی ہمارے قبضے میں نہیں ہے؟“
”وہ زخمی؟“

”ہاں..... یہ بات اُسی سے معلوم ہوتی ہے کہ لمبوترے چہرے والا جو گروہ میں ٹائیگر کے نام سے مشہور ہے گروہ کا سر غنہ نہیں۔ گروہ کے کسی فرد نے سر غنہ کو آج تک دیکھا ہی نہیں۔ انہیں اُن حکماں ملے رہتے ہیں اور یہ حکماں اُن کو لمبوترے چہرے والے یا ٹائیگر کے ذریعے ملے ہیں۔“

”میں فی الحال تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلاگا کر بولا۔
”ہو سکتا ہے کہ اُس نے مسڑڑا طے کا بہروپ اسی لئے بھرا ہوا اور ہاں میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ گروہ والے اُسے مسڑڑا طے کی حیثیت سے نہیں جانتے۔“

تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

”کیا اُس نے پولیس کو کچھ بتایا ہی نہیں؟“

”بہت کچھ بتایا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن وہ بتانا ایسا ہی ہے جیسے تم کسی کو اپنا پیشہ ماہی گیری بتا دو۔ اُس نے پولیس کو بتایا کہ وہ مسڑڑا طے کے بھیس میں اپنی بد صورتی چھپانا چاہتا تھا۔ اور بس..... اُس نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ اُس کا تعلق کسی گروہ سے بھی ہے۔ لیڈی جہاگیر کے گھر میں ہوتے والی لوٹ مار سے اُس نے خود کو قسطی بے تعلق ظاہر کیا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے تعلقات سر جہاگیر عادل جی سے بہت اچھے تھے اور لیڈی جہاگیر اُسے سر جہاگیر کی زندگی سے جانتی تھی۔ بہر حال اُس کے پورے بیان کا اختصار یہ ہے کہ اُس نے مسڑڑا طے کے بھیس میں کسی کو روتی پر اپنی نقصان نہیں پہنچایا۔ اُس میک اپ کا مقصد محض چہرے کی عجیب پوشی تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ اگر کچھ دنوں تک اُس پرختی کی جاتی تو وہ بہت کچھ اگل دینا۔“ حمید نے کہا۔

”ناممکن۔ میں اس کے ٹاپ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک بار

اُس کے سینے پر ریو الور کی نال بھی رکھ دی جاتی تو وہ کچھ نہ بتاتا۔“

”بہر حال.....!“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”اب اس اگلی ہوئی کسی کو دوبارہ لٹکنا پڑے گا۔“

”اور کل رات کوشاید تم ہاتھی نگل رہے تھے۔ اُس سے زیادہ کسی کیس میں بھی تمہیں اتنی عیاشی کا موقع نہ ملا ہوگا۔ کفر ان عورت مت کرو پیارے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کیس کے دوران میں تم پر کروڑ جان سے عاشق بھی ہو جائے۔ عورت مال دار ہے۔ اُس کی دولت دوسری عیاشیوں کے کام آئے گی۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں ہاں.....! میں کہہ رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر زبان کا اعتبار نہ ہو تو لکھ کر بھی دے سکتا ہوں۔“

”افروز کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی ہے؟“

”بہت خوب صورت ہے۔“

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ اُس کے چال چلن کی متعلق.....؟“

”چال تو قیامت ہے حمید صاحب لیکن لفظ چلن آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکا۔ ورنہ اس پر بھی روشنی ڈالتا۔ محاوروں سے میں عاجز ہوں۔ اب اگر آپ رکھ رکھاؤ کے متعلق بھی پوچھ جیشے تو میں صرف رکھ رکھاؤ کے بارے میں بتا سکوں گا۔ رکھ رکھاؤ میری سمجھ میں خیس آتا۔ سبی معاملہ چل چلاو کے ساتھ بھی چیل آ سکتا ہے۔ ویسے مٹر پاٹاو پر میں بحالت فاقہ بھی تقریر کر سکتا ہوں۔“ حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس کے متعلق لٹکلو کرنا نہیں چاہتا اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ ایک بار اس سلسلے میں افروز کوئے الفاظ میں یاد کر چکا ہے۔

”اُس رخی نے لاشوں کے متعلق کیا بتایا؟“ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”سیکی کہ وہ سرغزت کے احکامات کے مطابق مختلف مقامات سے اٹھا کر ادھر ادھر ڈالی گئی تھیں۔ اس کا مقصد کیا تھا یہ آج تک گروہ کے کسی فرد کون معلوم ہو سکا۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں نہ لٹا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”جاوہ اب سور ہو۔

تجھے بھی تھوڑا بہت سوچنا ہے۔ میں بھی چھپلی رات جا گتا ہی رہا ہوں۔“

"کل رات کتنی لا کیاں.....!"

"تم پر مرتے مرتے بھیں۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم کچھ جا کر سورہ ورنہ تھوڑی بعد ہی دیرناک پر انگلی رکھ کر گنگلو کرنے لگو گے۔"

حید نے ایک آنکھ دبا کر جہانی لی اور انھے کراپنے کرے کی طرف چلا گیا۔

پھر چار بجے شام سے پہلے اس کے خرانے نبیں رکے اور جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے فریدی کو اسی کرے میں پایا جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

ائش ٹرے میں سگاروں کے کمی جتلے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔

"آپ نبیں سوئے؟" حید نے پوچھا۔

"نبیں..... تمہارے جانے کے بعد میں نے فرض کر لیا تھا کہ چھپلی رات کو میں جی مجرکے سوچ کا ہوں۔"

"بہت خوب.....!" حید فس پڑا۔ "اگر کسی دن آپ نے میزوں کرسیوں کو مجرم اور کسی کے کو گھوڑا فرض کر لیا تو پڑوں کے بچوں کو بڑی خوشی ہو گی۔"

"جب میں نے تم جیسے گدھے کو آدمی فرض کر لیا ہے تو اب مجھے کسی بات میں کوئی چکچاہت نہ محسوس ہوئی چاہئے۔"

"کاش آپ نے مجھے گدھا فرض کیا ہوتا۔" حید سختی سانس لے کر بولا۔

"خیر اگر کام چوری کا مسوڑ ہوتا میں یوں بھی تمہیں مجبور نہ کروں گا۔"

"پھر آپ نے بات پلٹ دی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"خیر..... خیر..... جلدی کرو۔ ناشتہ بھی غالباً تیار ہو گا۔ اس کے بعد ابھی میک اپ بھی کرنا ہے۔"

"میک اپ.....؟" حید ہکلا کر رہا گیا۔

اور پھر چھ بجے کے قریب وہ دونوں کیڈیاں اک پر سڑکیں ناپ رہے تھے۔

فریدی ایک ادھیر عمر کے پر وقار آدمی کے بھیس میں تھا اور حید اپنے میک اپ میں شرم سے کٹا جا رہا تھا۔ اگر بات میک اپ ہی پر ختم ہو جاتی تو خیر لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

فریدی نے اسے پندرہ سو لے سال کا ایک نو خیز لڑکا بنا دیا تھا جس کے اوپری ہونٹ پر ہلکی ہلکی روئیدگی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر بار بار اپنی بائیں آنکھ دبادتا تھا۔

"اس پیشے پر سو بار لغت.....!" حمید بڑا بڑا۔

"ڈروئیں تمہیں پیشے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں مذاق کے موڑ میں نہیں ہوں۔" حمید جھنچھلا گیا۔

فریدی نے پھر مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبادی۔

"آخر ہم جائیں گے کہاں؟" حمید نے تھوڑی دری بجد پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ جہنم میں.....!" فریدی بس پڑا۔

"میں بگاڑتا ہوں میک اپ.....!" حمید نے دھمکی دی۔

"میرا کیا ہوا میک اپ ہے بیٹے خان..... کسی قلم یا ڈرائے کا میک اپ نہیں۔ اسے بگاڑنے کے لئے تمہیں کافی مقدار میں ایسوں یا صرف کرنی پڑے گی۔"

حمد کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس وقت اسے جنچ اپنی بے بی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اسے غصہ اس بات پر تھا کہ فریدی نے اسے اپنے پوگرام کے متعلق بتایا کیوں نہیں۔ لیکن یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ ایسے موقع پر عومنا سیکی کرتا تھا۔ اس لئے مجبوراً حمید نے اپنی بوشنائی نوچنے کا ارادہ بھی ملتا کر دیا۔

کیڈی لاک ایک دیر ان سڑک پر جا رہی تھی۔ شہر کافی یچھے رہ گیا تھا۔ اندھرا پچھل رہا تھا۔

دھنٹا فریدی نے کیڈی ایک دوسرا سڑک پر موزوڈی۔ حمید بدستور خیالات میں ڈوبتا ہوا تھا۔ تھوڑی دری بجد کار کے رکتے ہی چوک پڑا۔

کار نیا گرا ہوٹل کے گیرا ج کے سامنے رکی تھی۔ ٹھالی سرے پر بیٹھے ہوئے واج میں نے ایک خالی حصے کے برتنی نمبر روشن کر دیئے۔ کیڈی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ فریدی نے کار اندر لگادی اور انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ پھر وہ ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھے جو آبادی سے بہت دور ویرانے میں اپنی مخصوص قسم کی رنگ رلیوں کے لئے مشہور تھی۔ یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ صرف دولت مند ہی طبقہ آن کا مستحمل ہو سکتا تھا۔ عام لوگ تو بے چارے ٹھنڈی

سائیں ہی بھر کر رہ جاتے تھے۔ یا پھر یونہی دوستوں پر رعب ڈالنے کے لئے اکثر کوئی ایسا کارنامہ دھراتے جو نیا گراہوٹ سے متعلق ہوتا۔ دیے اگر ان سے وہاں کی تعلیم نہست ہی کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ صرف مندرجہ کر رہ جاتے یا پھر بات ہی اڑادیتے۔

فریدی اور حمید اندر داٹلی ہوئے۔ ہال میں ایک اطالوی رقصہ آرکسٹرا پر ناچ رہی تھی اور ساری بیزیں بھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ فریدی نے رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر مایوسانہ انداز میں آمد و رفت کے دروازے کی طرف لوٹ پڑا۔ حمید خاموشی سے اُس کی تکلید کرتا رہا۔

ایک آدمی ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید کو تو حقیقتاً اس کی خبر نہیں تھی دیے فریدی کے انداز سے بھی بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس سے لاٹم ہے۔ حمید سمجھا تھا کہ اب فریدی گیراج سے کارنکالے گا لیکن وہ پارک میں آبیٹھا۔ بیٹھتے وقت اُس نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

”تمہارا نام عارف ہے اور تم پیش کانج کے طالب علم ہو..... کیا سمجھے۔“

چیخت چٹانیں

حمدید پر پھر بوکلاہٹ کا دورہ پڑا گیا لیکن قبل اس کے کروہ کچھ کہتا فریدی اٹھتا ہوا اوپھی آواز میں بولا۔

”اچھا تو میاں عارف پھر ملاقات ہو گی۔“

اس کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا بیسے وہ دے کا مریض ہو۔ پھر وہ لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا پارک سے نکل گیا۔

حمدید نے نئی کی پشت سے نکل کر اپنے مقدر کو دو تین ناقابل فہم گالیاں دیں اور جیب میں

سگریٹ کا پکٹ نہ لئے لگا۔

فریدی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس میک اپ کے دوران میں پاپ کی بجائے سگریٹ پنے گا۔

یہاں تک تو سارے معاملات اُس کی سمجھ میں بخوبی آگئے تھے لیکن اس صورت میں پیش آنے والے حادثات سے وہ قطعی بے خبر تھا۔ آنے والے الحادث میں کیا کرنا تھا۔ خصوصاً یہ تو ایک ایسا سوال تھا جس کا کوئی جواب اُس کا ذہن میں تلاش نہ کر سکا۔

فریدی جاپ کا تھا اور اسے وہاں بیٹھتا تھا مگر کب تک؟ کس لئے؟ مقصد تو صاف ظاہر تھا لیکن حصول مقصد کا طریقہ تاریکی میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسے موقع پر تو فریدی کو کچھ تھے کچھ نہ رہتا پاہنے تھا۔ آخر وہ اسے کچھ بتائے بغیر کیوں چلا گیا؟ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں ہو اور اپنے لئے تو حمید کے ذہن میں ایک بڑی مناسب تشبیہ گوئی تھی۔

بن تھی۔ وہ خود کو ایک ایسا بکرا تصور کر رہا تھا جسے شیر کے شکار کے لئے باندھا گیا ہو۔

حید نے سگریٹ نکالا اور اسے ہوتنوں میں دبا کر کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اسے سلاک کر لائیٹر جیب میں رکھنے لی جا رہا تھا کہ باسیں طرف سے ایک آدمی اپنے ہوتنوں میں سگریٹ دباء کے اُس کی سمت جھلتا ہوا بولا۔

”تکلیف تو ہو گی۔“

حید نے اُس پر ایک اچھتی کی نظر ڈالی اور اُس کا سگریٹ سلاکا دیا۔

وہ سید حاکمڑا ہو کر آہستہ سے بولا۔ ”مشکریہ۔“

حید نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور لائیٹر جیب میں ڈال کر ایک طرف سرک گیا۔

”اب بھلا بتا یے۔“ وہ بیٹھتا ہوا بڑا بڑا۔ ”اتی دور سے آئے تھے تفریج کے لئے لیکن اندر کوئی میز ہی خالی نہیں۔“

”ہم بھی رجنریشن کروانا بھول گئے تھے۔“ حید نے کہا۔ ”یہاں بغیر اس کے کام نہیں چلا۔“

”یقیناً میکی بات ہو گی۔“ ابھی آہستہ سے بولا۔ ”میں نے ڈاکٹر کٹھی میں اس ہوٹل کا نام

دیکھا۔ میں نے سوچا پر سکون اور عدمہ جگہ ہو گی۔“

”تو آپ یہاں نووارد ہیں؟“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“ ابھی بولا۔ ”تعجب ہے کہ یہ لوگ اس پارک کو بھی کیوں نہیں استعمال کرتے۔“

”یہ صرف گارڈن پارٹیز کے لئے مخصوص ہے۔“ حمید بولا۔

تحوڑی دیر چک خاموشی رہی پھر بولا۔

”آپ شاید اسٹوڈنٹ ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”کس ایئر کے؟“

”فور تھے ایئر۔“

ابھی نے ایک سختی سانس بھری اور ختم ہوتے ہوئے سگر ہٹ سے دوسرا سلاک نے لگا۔ یہ ایک ڈھلتی ہوئی عمر کا تند رست آدمی تھا۔ خدوخال بتا رہے تھے کہ جوانی میں کافی حسین اور پرکشش رہا ہو گا اور اُس کے پروقار چہرے پر کبھی ایک شوخی مسکراہٹ ہوتی رہتی ہو گی۔ آنکھیں شرات آمیز چک سے محروم نہ رہتی ہوں گی۔

”آپ مجھے کسی اچھے خاندان کے چشم و چراغ معلوم ہوتے ہیں۔“ ابھی تحوڑی دیر بعد بولا اور حمید کی اچھلنے والی زبان کی طرح قابو میں نہ رہ گکی۔

”نہ میں چشم ہوں اور نہ چراغ“ دہ مسکرا کر بولا۔ ”مجھے عارف کہتے ہیں۔“

”آپ کافی زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔“ ابھی ہنسنے لگا۔ ”یہ عمر ہی اُسکی ہوتی ہے..... کبھی میں بھی.....!“

”میں بھی بڑھاپے میں بھی کہوں گا۔“ حمید نے اُس کی بات کاٹ دی۔

ابھی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ پھر تحوڑی دیر بعد بولا۔ ”حیرت ہے کہ آپ ایسی دلچسپ جگہ نہ آئے ہیں۔“

”والد صاحب کو ساتھ لانے کا ارادہ تھا مگر انہیں نافیاں خریدنی تھیں۔ اس لئے انہوں نے پچا جان کو ساتھ کر دیا تھا۔ لیکن وہ بھی چڑے گئے۔“ ابھی نے قبچہ لگایا۔

”میرا مطلب یہ تھا کہ نوجوان لوگ اسی جگہوں پر کسی عمدہ تم کے پارٹنر کے بغیر نہیں جاتے۔“

”سمجھا.....!“ حمید سرہلا کر بولا۔ ”لیکن میرے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ٹریجندی ہے کہ لاکیاں مجھے منہ نہیں لگاتیں۔“

”آپ کو.....!“ اجنبی کے لبھ میں حرمت تھی۔ ”شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔“
”میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔“

”خوبیں مان سکتا۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”آپ نے خود ہی انہیں من لگانا مناسب نہ سمجھا ہو گا۔“
”اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔“ حمید نے کہا۔ اُس کے کان پکھ پکھ کھڑے ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ”میں نے کئی بار لاکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کسی نے نوٹس تک نہ لیا۔“

”میں کس طرح یقین کرلوں!“ اجنبی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”آپ جیسے نوجوان کو الٹرا موڈرن لاکیاں پوچھتی ہیں۔“

”میں شاید آپ کو یقین نہ دلائکوں۔“ حمید نے دوسرا اسکریپٹ لگاتے ہوئے کہا۔
”اگر میں نے ثابت کر دیا تو.....؟“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

”تو میں عمر بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔“ حمید نے قہقہہ لگایا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ اجنبی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں ثابت کر سکتا ہوں یا تو آپ بن رہے ہیں یا پھر اپنی صحیح قدر و قیمت سے خود واقف نہیں۔“

حمدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ بنے اختیار مسکرا پڑا۔

”میں آپ کو کئی لاکیوں سے ملاوں گا۔“ اجنبی پھر بولا۔ ”اس کے بعد مجھے آپ کو سات سلام کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔“

”لاکیوں سے.....!“ حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

”جی ہاں.....! اخبارہ دکنور یہ روڈ میں میرا قیام ہے۔ اگر آپ کل شام کو وہاں آسکیں تو میں اپنے دعوے کو پایہ ثبوت تک پہنچا دوں گا۔“

”میں ضرور آؤں گا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”ورنہ ممکن ہے کہ میں احساسِ سکتی کا شکار ہو کر مر ہی جاؤں۔“

”لیکن میاں صاحبزادے۔“ وہ حمید کے کاندھے پر انہائی بے تکلفی سے ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”آپ حدود سے آگئے نہیں بڑھیں گے۔“

”کس قسم کی حدود.....؟“ حمید نے مخصوصیت سے پوچھا۔

”تجھے احتمال نہ ہائیے۔“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ اس سے زیادہ سمجھدار ہیں جتنا میں آپ کی عمر میں تھا۔“

”میں سمجھدار تو ہوں لیکن یقین ماننے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

اس پر اسرار اجنبی نے پس کر ایک ایسا اشارہ کیا کہ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔

”ارے..... نہیں..... ہی ہی ہی۔“ حمید مصنوعی قسم کے شر میلے انداز میں ہٹنے لگا۔

”آپ پر رجتے کہاں ہیں؟“

”پرانی ہوٹل میں۔“

اجنبی تحوزی دیر ٹک خاموش رہا پھر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے؟“

”اوہ..... وہ..... پروفیسر عمران..... ہاں تھے تو؟“ حمید اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”کچھ نہیں..... میں نے یونہی پوچھا تھا۔“

”بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”یہاں ساری میزیں بھری دیکھ کر اکٹھ پاؤں واپس گئے۔ کچھ تجھب نہیں کہ اپنی ذاتی میز اور کری لے کر واپس آ رہے ہوں۔“

”واقعی.....؟“

”فلسفے کے پروفیسر ہیں نا! ایک دن اکٹھ جوتے چکن کر جوتے والوں پر برس رہے تھے کہنے لگے عجیب سور ہوتے ہیں یہ جوتے والے بھی۔ کم بخت ایسے جوتے بناتے ہیں جو کبھی ٹک

اور کبھی ڈھیلے۔“

اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

”اور سنے! ایک سچ اپنے بغلے سے کانچ جانے کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ نہ جانے کہاں سے ایک گدھا آنکھا تھا اور نیک اسی جگہ آ کر کھڑا ہو گیا تھا جہاں انہیں اپنی موڑ سائکل ملتی تھی۔ اُس دن اتفاق سے تو کرموڑ سائکل نکالنا بھول گیا تھا۔ آپ بے خیالی میں گدھے پر چڑھ بیٹھے اور گئے زمین پر پاؤں مارنے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا۔ کہنے لگے کہم بخت اشارت ہی نہیں ہوتی۔“

اجنبی کے تجھے برادر گونج رہے تھے۔

”خدا کی قسم آپ بہت زندہ دل آدمی ہیں۔ میں مان نہیں سکتا کہ لڑکیاں آپ لوافت نہیں دیتیں۔“

”آپ کو ماننا پڑے گا۔“ حید و فتحا گز کر بولا۔

اجنبی حرمت سے اُس کا منزد دیکھنے لگا۔

”آپ مجھے جو ہوا سمجھتے ہیں؟“

”ارے نہیں صاحب۔“ اجنبی پرے کھلکھلا ہوا بولا۔

”میں کل ضرور آؤں گا لیکن اگر مجھے شرمندگی ہوئی تو.....!“

”میرا سراڑا دیجئے گا۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

”آپ نے میری بات کا نہ اتنیں مانا؟“ حید نے تھوڑی دیر بعد زرم لجھے میں کہا۔

”میں قطعی نہیں.....!“

”میں بہت بد نصیب آدمی ہوں۔“ حید نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ پھر باقاعدہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بننے لگے۔

”ارے ارے..... آپ روکیوں رہے ہیں۔“ اجنبی گھبرا کر بولا۔

”کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔“ حید انھکر کھڑا ہو گیا۔ ”میں کل آپ سے ضرور ملوں گا۔“

”لیکن شہر یے تو آپ روکیوں رہے ہیں؟“ اجنبی کہتا ہی رہا لیکن حید چل پڑا۔ اس کے آنسو ابھی تک جاری تھے اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو نہ ابھلا کہہ رہا تھا۔ اس نے رومال سے آنکھیں خلک کرنی چاہیں لیکن بے سود۔ آنکھوں میں بدستور جلن ہوتی رہی اور پانی بہتا رہا۔

فریدی نے میک اپ کے سلسلے میں نہ جانے کون سی چیز استعمال کی تھی جسے حید کی لاپرواٹی نے آنکھوں تک پہنچا دیا تھا اور آنکھیں تھیں کہ برادر یہے جا رہی تھیں۔ وہ بدقت تمام گیراج سک پہنچا۔ فریدی کی کیڈی لاک ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ حید نے آنکھیں خلک کر کے چاروں طرف دیکھا لیکن فریدی کہیں نہ دکھائی دیا۔

اس نے چپ چاپ کار گیراج سے نکالی اور اسے سڑک پر لے آیا۔ پھر وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہونے لگا کہ کیڈی کی عدم موجودگی میں فریدی کو کافی دھکے کھانے پڑیں گے کیونکہ یہاں پر نیکیاں نہیں ملتی تھیں۔ یہاں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی آتے تھے جنہیں کراچی کی سواریاں کرنی پڑیں۔

خاسی تاریکی چھا گئی تھی۔ سڑک سمنان تھی لیکن نہ جانے کیوں حید کیڈی کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا۔ آگے چل کر اسے کار روک دینی پڑی کیونکہ تھوڑی دور پر ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھ انھائے کھڑا تھا۔ جب ہیڈ لائنس کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تو حید نے اسے پہچانا..... یہ فریدی تھا۔

”چوتھ دینا چاہتے تھے۔“ وہ اُس کے برادر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ادھر گھسکو.....!“

فریدی نے حید کو ہٹا کر اسٹریمگ سنجال لیا۔ کیڈی پھر چل پڑی۔

”چلو معاف کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیونکہ اس وقت تم نے اپنا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔“

”جناب.....!“ حید ہوت پھیلا کر بولا۔ ”آخر آپ مجھے کب تک بندروں کی طرح نچائیے گا۔ جہنم میں گیا یہ پارٹ وارث..... میری آنکھیں۔“

”انہیں آنکھوں کی بدولت وہ تمہیں عرصے تک یاد رکھے گا۔“

”اس تشنج اوقات کا مقصد کیا تھا.....؟“

”اگر تم مقصد بھی نہیں سمجھ سکتے تو تم پر گدھوں کی پھٹکار۔“

”فرض کیجئے کہ میں حقِ قربانی کا بکراہی ثابت ہوا تو؟“

”خیر اُس کی خوشی ہے کہ مقصد تمہاری سمجھ میں آگیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ہاں اگر واقعی تم مارے ہی گئے تو کسی نہ کسی طرح صبر کروں گا۔“

”بس؟ گویا میں.....!“

”آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے مر نے سے دنیا کوئی کمی محسوس نہ کرے گی۔ کل کوئی دوسرا حید پیدا ہو جائے گا۔“

”لیکن جنمبوں نے اس حید کو پیدا کیا ہے ان کا کیا حشر ہو گا.....؟“

”میں انہیں بھی صبر ہی کا مشورہ دوں گا۔“

حید نے فریدی کو گھوڑ کر دیکھا۔ وہ حد درجہ سخیدہ نظر آ رہا تھا۔

”تو کیا لمحہ آپ مجھے کسی خطرے میں جھوک رہے ہیں؟“

”ہاں..... ہاں..... ہاں.....!“ فریدی نے جھکے دار آواز میں کہا اور دفعہ کارروک دی

اور انہیں بند کر کے نیچے اتر گیا۔

”میرا انتظار کرو۔“

پھر وہ تار کی میں غائب ہو گیا۔ کچھ دور تک قدموں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر حید نے ایک سگرہٹ لٹکایا اور سیٹ سے نکل گیا۔ اسے اس وقت وہ ساری لاشیں یاد آ رہی تھیں جنمبوں دیکھ کر اس کے رو تکنے کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر اس کا ذہن اس اپنی کی طرف مڑ گیا جس سے کچھ در قبل اس نے باتیں کی تھیں اور وہ باتیں..... کیا وہ کسی تو جوان کو چھاننے کے لئے تاکافی تھیں۔ خوبصورت لاکیوں کا لامبی۔ کیا وہ سب بے چارے اسی لامبی میں مارے گئے تھے؟ حید کو فریدی کا یہ سوال یاد آ گیا کہ وہ کون سی ایسی چیز تھی جو ان لاکوں کو کافی رات گئے تک مگر سے باہر رہ کے رکھتی تھی۔ خوبصورت لاکیاں..... اس کے جسم میں ایک سردی لہر دوڑ گئی۔ بوڑھے اپنی کا شفقت آثار چہرہ بھیڑیے کی ٹھلل میں تبدیل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

حید خائف نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی بھی ایسا موقع آیا تو وہ خود اس کی بوٹیاں اڑا دے گا۔ لبھن دراصل اس بات کی تھی کہ فریدی اس کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اسے اندر سرے میں دھکلیں رہا تھا۔ اس نے ایسا پہلے بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے لئے یہ چیز بھی تحریر خیز تھی

کہ اس کیس میں اتنے دن لگ گئے تھے اور ابھی تک کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ فریدی حکم اپنی طبع رسا اور پھر تیلے پن بھی کے لئے مشہور تھا ورنہ مگرے میں سکھیاں مارنے والے تو بیتیرے پڑے ہوئے تھے۔ اس دوران میں کئی بار افسران بالا کی طرف سے یاد دہانی بھی کی جا چکی تھی اور یہ اس کی یادداشت میں پہلا موقع تھا۔ ورنہ اس سے قبل افسران بالا کو کبھی اس کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ حمید نانے میں جیگنگروں کی جماں میں جماں میں ستارہ رہا۔ اُسے آج شام افروز سے ملنا تھا مگر نہ مل سکا۔ وہ اُس کے لئے ہمدردی کی بے پناہ جذبات رکھتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ زیادہ خوبصورت عورت کی بہر حال مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ غریب ہو چاہے دولت مند۔ کچھ نہیں تو لوگ اُس کے لئے گندے خیالات ہی رکھتے ہیں۔ زیادہ پر جوش اور بے باک قسم کے آدمی تو دانت پر دانت جما کر ان کا انہمار بھی کر دیتے ہیں اور کچھ اس انداز میں چیزیں انہوں نے زبان نہیں ہلائی بلکہ اپنے ارادے کو عملی جامد ہی پہنچا دیا۔ حمید اوگنے لگا۔ لیکن اس کا نیم غنوہ ڈھن اب بھی سوچے جا رہا تھا۔ حکومت کو چاہئے کہ اس کی روک تھام کرے۔ خوبصورت عورتوں کو کہیں اور بیچ دے..... کہیں اور..... جہاں فرشتے بنتے ہوں یا پھر فریدی چیزیں لوگ ہوں۔ فریدی کے خیال پر اوگنے تھے ہوئے ڈھن نے فلاپازی کھائی اور نیند کے دھنڈکوں میں اُسے فرشے ہی فرشتے نظر آنے لگے۔ پھر ایک فرشتے نے اُس کے سر پر چپت رسید کر دی۔

حمدی چوک پڑا۔

”زندہ ہو یا مر گئے؟“ فریدی نے اُس کے سر پر دوسرا چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

”مر گیا.....!“ حمید نے جھلا کر کہا اور رسید حاہو گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی اور حمید نے محضوں کیا کہ اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔

”کیا اولے پڑنے والے ہیں؟“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تمہیں..... ممکن ہے یہ قصہ اسی وقت ختم ہو جائے۔“ فریدی بولا۔

اچا ایک حمید کی نیند عائب ہو گئی اور وہ فریدی کو گھومنے لگا۔

”کچھ ہی دیر پہلے ایک گاڑی جھریاں کی طرف گئی ہے۔“ فریدی پھر بولا۔ ”اس کی روائی

نیا گراہوٹ سے ہوئی تھی اور اس میں ایک لڑکا بھی تھا۔ گاڑی ڈرائیور نے والے کی شکل نہیں دیکھی جا سکی۔

”آپ گئے کہاں تھے؟“ حمید نے پوچھا۔

”قریب ہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”مرجنٹ ریسٹریشن سے اطلاعات لینے۔ وہ جھریالی کی طرف جانے والی گاڑیوں کی مکرانی کردہ ہے۔ میں نے اس کا انقلام جھریالی والے حادثے کے بعد ہی کر لیا تھا۔“

”تو کیا اب آپ ہر اس گاڑی کے چیچے دوڑ لگائیے گا جس پر کوئی خوبصورت لڑکا ہو؟“
”نہیں فرزند..... نیا گراہوٹ ان کا خاص مرکز ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بات ڈاٹے کی رہائی کے بعد ہی معلوم ہوئی ہے۔ درستہ میں غیب وال تھا کہ یہاں دوڑا چلا آتا۔“

”تو کیا وہ ڈاٹے ہی تھا جس سے میں نے باعثیں کی تھیں۔“

”نہیں..... وہ اُسی گروہ کا کوئی اور آدمی تھا۔“

حمدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ اس گاڑی پر وہی مجرم ہو؟“
”پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ یہ کسی جاسوی ناول کا پلاٹ تو ہے نہیں کہ مجرم چند بندھے لئے اصولوں کے تحت ہاتھ آجائے اور ستہ میں سڑاک ہومز ہوں۔ سمجھے۔“
حمدی پھر کچھ نہیں بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو قائل کرنا آسان کام نہیں۔ دلائل اُسے صرف خاموش کر سکتے تھے لیکن کام سے روک دینا دلائل تو کیا حقائق کے بس کا بھی روگ نہیں تھا۔
کیڈی لاک سنان سڑک پر فرائٹ پھر رہی تھی۔ حمید پھر اونگھنے لگا۔ اُسے خبر نہ ہوئی کہ کتنا وقت گذر رہا۔ اگر کار ایک جھلک کے ساتھ تھے رکتی تو شاید وہ سوتا ہی رہتا۔ فریدی نے کار روک کر ہیئت انسٹیشن بجھا دی تھیں۔ حمید اندر ہرے میں آنکھیں چھاڑنے لگا۔ اُسے نہ وقت کا احساس تھا اور ستہ مقام کا۔

”وہ روشنی دیکھ رہے ہو؟“ فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ کچھ دور پر ہلکی سرخ رنگ کی روشنی دکھائی دی اور کچھ دھواں بھی۔

”ہاں..... کیا ہم کسی گاؤں میں ہیں؟“ حمید نے پوچھا۔

"نہیں..... یہ جھریاں کی غیر آباد پہاڑیاں ہیں۔ کیا تمہیں وہ چٹانیں نہیں دکھائی دیتیں جن میں روشنی نظر آ رہی ہے۔"

"چٹانیں؟" حمید نے پھر آنکھیں پھاڑ دیں۔ پہلے وہ انہیں چھوٹے چھوٹے مکانوں کی دیواریں سمجھا تھا۔

"یہاں اس وقت روشنی کا کیا کام.....!" فریدی آہستہ سے بڑیڑا بڑا اور کیڈی سے اتر گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقدیم کی۔ پھر وہ پہاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ سیاہ رات سائیں سائیں کریں تھی اور ان کے قدموں کی آواز دور تک گونج رہی تھی..... دھننا انہوں نے ایک جی چنی۔ پھر دوسری جیسے وہ ختم ہونے سے پہلے ہی دہرا دی گئی ہو۔ ایسا معلوم ہوا جیسے شم روشن کنی۔ آوازیں جیخ رہی ہوں۔ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لمبڑی دوزگئی۔ فریدی نے آواز کی چٹانیں جیخ رہی ہوں۔ حمید کی جگہ مخوب کریں کھا کر گرتے گرتے بچا۔ فریدی ایک چٹان سے طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید کی جگہ مخوب کریں کھا کر گرتے گرتے بچا۔ فریدی ایک چٹان سے دوسری چٹان پر جست لگاتا پھر رہا تھا مگر جتنی ہوئی چٹانیں اب بھی کافی بلندی پر تھیں۔ دھننا آوازیں آئیں آئیں بند ہو گئیں لیکن روشنی ابھی تک دکھائی دے رہی تھی۔

بدقت تمام وہ دلوں اُن چٹانوں تک پہنچے۔ پھر انہیں ایک عبرت ناک منظر سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک نوجوان لڑکے کی برہنہ لاش پڑی تھی اور اُس کے قریب لکڑیوں کا ایک ڈیمر جل رہا تھا۔ یہ لاش بھی کچھلی لاشوں سے مختلف نہیں تھی۔ اُس کے جسم پر بھی نوپنے گھسوٹے کے ثاثات تھے اور گردن کی چھری سے ریتی گئی تھی۔ کئی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

"تم یہیں نہ ہو.....!" فریدی نے حمید کی طرف ایک روپا اور اچھاتے ہوئے کہا اور دوسری طرف اتر گیا۔ حمید نے روپا اور ہاتھوں پر روک لیا۔ اُس کا منہ خلک ہوا جارا تھا اور سائیں طلت میں رک رہی تھیں۔ پھر وہ روشنی سے ہٹ کر دو چٹانوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ رات اپنے سیاہ جبڑے کھولے وقت کا تعاقب کر رہی تھی۔

تحوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اُس کا چہرہ اُتر اہوا تھا۔ حمید نے مستفرانہ نظر دوں سے اُسے دیکھا۔

"ہم دیر میں پہنچے۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ تیزی سے اُس پر جھکا۔ تھوڑی دیر تک اُسی حالت میں رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر اندر میں گھورنے لگا۔

بہت دور جنگل میں کسی موڑ کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی اور پھر اندر چرا ہو گیا۔ رات کا سناٹا اور گہرا معلوم ہونے لگا۔ ایک لاش سکلتی ہوئی لکڑیاں اور دو آدمی جو بظاہر ہے بس نظر آ رہے تھے دھند لی روشنی میں اُن کے سامنے کپکار ہے تھے۔

حیرت

دوسری صبح فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لاش ہی کے ساتھ اُس نے کئی اور چیزیں بھی اُن پہاڑیوں میں دریافت کی تھیں جن پر وہ غور کر رہا تھا لیکن وہ چھپری نہیں مل سکی جس سے مجرم نے متکول کو ختم کیا تھا۔ اُس لاش کے دارثوں کا پتہ بھی آسانی سے چل گیا۔ آج صبح جب وہ اُس لڑکے کی گشتنی کی رپورٹ لکھوانے کے لئے کوتولی آئے تو انہیں اُس کی لاش ملی۔ فریدی نے اُن سے محدود سوالات کئے۔ لیکن اس بار بھی اُسے کوئی ایسی بات نہ معلوم ہو سکی جس سے مجرم کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ متکول اپنی زندگی میں پہلی بار رات بھر گھر سے عائب رہا تھا۔ پہلی لاشوں کے دارثوں کے بیانات اور اس میں فریدی کو صرف بھی فرق قابل غور نظر آیا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے اپنا پرانا رو یہ بدلتے دیا۔“ فریدی نے حید سے کہا۔ ”دوسرے متکولین نے کئی کئی راتیں گھر سے باہر گزاری تھیں اور اس نے پہلی بار یہ حرکت کی تھی لیکن میاں حید ذرا غور تو کرو اُس جال کے متعلق جس میں یہ پھنس جاتے ہیں۔“

”اگر وہ کل والا جبکی حقیقتاً اُسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو یہ جال غیر معمولی نہیں معلوم ہوتا۔“

”یعنی.....؟“

”خوب صورت لا کیوں کالا لج.....!“ حید نے کہا۔

”تم تھیک سمجھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ابھی تو تمھیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز باتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”قبل از وقت سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔“

”میں سمجھتا بھی نہیں چاہتا۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔

اس کے بعد پھر دنوں میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔

فریدی تین بیجے تک دفتر سے غائب رہا۔ کل کی ناکامی کی بنا پر حمید آج کی تیاریوں کو بھی فشل ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ اپنی طرح جانتا تھا کہ فریدی آج اُسے کل دالے اپنی کے باتے ہے پتے پر بیسیے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی کامیابی پر بھی یقین نہیں کیا جاسکا۔ معلوم نہیں مالات کوں سارخ اختیار کریں؟ وہ اسے فریدی کی اندر گی چال ہی سمجھنے پر مجبور تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر اُس نے نہیں اسکیں بنائی تو اُسے ضرورت سے زیادہ ہوشیار رہتا پڑے گا۔

فریدی کی واپسی پر وہی ہوا جس کے متعلق حمید سوچ رہا تھا۔ وہ دنوں آفس سے گھر واپس آئے۔

”تم جانتے ہو کہ ڈاٹلے کے آدی میری تاک میں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں ہونا ہی چاہئے۔“ حمید بولا۔ ”کیونکہ ڈاٹلے آپ ہی کی مرضی کے مطابق عمل کر رہا ہے۔“

”ہوں..... اسی لئے میں تمہارا میک اپ بیہاں نہیں کروں گا۔“

”لیکن.....!“

”تم شاید وہاں جاتے ہوئے ڈر رہے ہو۔“

”نہیں تو..... لیکن.....!“

”تم نے اب تک جو کچھ اندازہ لگایا ہے معاملات اُس کے بر عکس ہی نہیں گے۔“ فریدی نے پر اعتماد لجھے میں کہا۔

حمدیہ جواب طلب نظر دو سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہاں مجھے خود تمہیں سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔“

”مجھ سے.....؟“ حمید کے لجھے میں جرت تھی۔

”ہاں تم سے.....!“ فریدی بولا۔ ”اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا اور ہاں

شاید اب جھریاں کے علاوہ کوئی اور مقام منتخب کیا جائے۔“

"یہ تو ظاہری ہے۔" حمید نے کہا اور اپنا پاس بھرنے لگا۔

"ویسے میں تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہوں گا۔ یہ میں تمھیں نہ بتاتا کیونکہ تم اس طرح اپنی ایکٹنگ میں بے ساختگی نہ پیدا کر سکو گے۔ مگر خیال آتا ہے کہ تم ذرر ہے ہو۔"

"میں ذرر رہا ہوں؟" حمید نے جلا کر کہا۔

"تمہارے چہرے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"میں اپنا چہرہ کھرچ ڈالوں گا۔ آخر آپ مجھے اتنا بزدل کیوں سمجھتے ہیں؟"

"تمہاری آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔"

"میں اپنی آنکھیں پھوڑ لوں گا۔" حمید پھر چینا۔

"خیر..... خیر..... تھوڑی دری بعد امتحان ہوتی جائے گا۔" فریدی نے کہا اور دوسرے کمرے میں چاگیا۔

حمد کری کی پشت سے میک لگائے پاسپ ڈیارہ۔ تھوڑی دری بعد ناشت آگیا۔ فریدی اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس لئے ہوئے دوسرے کمرے سے آیا اور دونوں ناشت کرنے لگے۔ تقریباً چھ بجے حمید ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے سے برآمد ہوا۔ وہ اپنے کل شام والے بھیں میں تھا۔ فریدی نے میک اپ کے لئے اسی ہوٹل کو منتخب کیا تھا۔ آج کئی دنوں سے اس نے اس ہوٹل کا ایک کرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔

حمد نے ٹیکی کی اور کٹوریہ روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خائف نہیں تھا لیکن الجھن ضرور تھی۔ معلوم نہیں کیا واقعات پیش آئیں اور کس قسم کی لڑکیوں سے ملاقات ہو۔ لیکن لڑکیاں؟..... کسی لڑکیاں؟ ممکن ہے وہ محض فریب ہو۔ دیکھا جائے گا۔ وہ زیریں بڑی بڑی اور جیب سے سگر بھٹ کھلانے لگا۔ کٹوریہ روڈ پہنچ کر اس نے ڈرائیور سے "اخخارہ" کہا اور دوسری سگر بھٹ سلاکا نے لگا۔ ٹیکی ایک عظیم الشان کوشی کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اتر کر کرایہ ادا کیا اور چھانک کی طرف بڑھتے لگا۔

"اوہ..... بیلو عارف۔" پائیں باغ سے آواز آئی۔ کل والا جنہی تیزی سے درمیانی روشنی طے کرتا ہوا چھانک کی طرف آرہا تھا۔

"ہیلو.....!" حمید گرم جوٹی سے مسکرا یا۔

"میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ ابھی اس سے مصافیہ کرتا ہوا بولا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ آپ باہر تھے..... ورنہ شاید مجھے لوٹ جاتا پڑتا ہے۔"

"کیوں.....؟ چلنے اندر چلنے۔"

"کل میں بدحواسی میں آپ کا نام دریافت کرتا بھول گیا تھا۔" حمید بولا۔ بھلا اس وقت

میں کسی کو کیا بتایا کہ مجھے کس سے ملتا ہے۔"

"بہر حال آپ آئی گئے۔ وہ حمید کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔" مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں کہ اسی صورت میں لئنی تکلیف ہوتی ہے۔"

"میں تو خود کشی کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔" "میرے مسکرا کر ۔۔۔"

وہ دنوں پائیں باغ میں داخل ہو گئے۔ حمید اس کوئی کے محل و قوع پر غور کر رہا تھا۔ وکھور یہ روڈ پر کئی کوٹھیاں تھیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے قریب نہیں تھی۔ دو دو یا تین تین فرالاگ کا فاصلہ ضرور رہا ہو گا اور یہ سڑک کچھ اسکی زیادہ پر رفت بھی نہیں تھی۔ یہاں زیادہ تر وہی لوگ آباد تھے جو شہر کے ہنگاموں سے دور رہنا چاہتے تھے۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کی کوئی خاص خاطر نہ کر سکوں گا۔" ابھی نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ اچانک میرے میر بان کے صاحبزادے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

"میری سب سے بڑی خاطر بھی ہو سکتی ہے کہ اب آپ اپنا کامل تعارف کر دیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میں کل رات بھرا پنی اس حمافت کی بناء پر شدید افسوس میں جلا رہا ہوں کہ آپ جیسے عمدہ دوست کا نام تک دریافت نہ کر سکا۔ معاف کیجئے گا آپ کو لفظ دوست پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں..... بھلا اعتراض کیوں؟" ابھی مسکرا کر بولا۔

"میری اور آپ کی عمر کا فرق۔ حاالاً نکل میں خود اس کا قائل نہیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا آپ مجھے اس معاملے میں تجھے نظر کیجھتے ہیں؟" ابھی سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے پیسی ملک کہتے ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی میں نفیات کا پچھر رہوں!"

"آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔" حمید نے پھر اپنا ہاتھ مصافیہ کے لئے بڑھاتے

ہوئے کہا۔ ”اور آپ کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔“

وہ دونوں ایک وسیع ہال میں آئے جس میں سے ایک کشادہ زینہ اور پری منزل کی گلری تک چلا گیا تھا۔

”آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میرا کوئی دوست میرا ہم عمر نہیں۔“ پروفیسر ملک نے کہا۔

”غائبًا اس سلسلے میں بھی آپ نے نفیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔“ حمید بولا۔

”یعنی.....!“

”یہ ہمیشہ جوان بننے رہنے کا بیش قیمت لخت ہے کہ جوانوں کی صحبت اختیار کی جائے۔“

”واقعی آپ بہت ذہین ہیں۔“ پروفیسر ملک نے قہقہہ لگایا۔

حمد بے چنی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اُس کی یا ایکنگ بے ساختگی کی حالت تھی۔
پروفیسر ملک اُس کی طرف دیکھ کر ہٹنے لگا۔

”مسنون عارف.....! میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت آپ کی کوئی خاطر نہ کر سکوں گا۔ سب لاکیاں اور پر ہیں ایسے موقعے پر یہ تعارف بے تکاہی رہے گا۔“

”کیسے موقع پر.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اف نوہ! اتنی از خود رفتگی.....!“ پروفیسر ہنسا۔ ”میں نے ابھی عرض کیا تھا ناکہ میرے میزبان کے صاحبزادے پر دورہ پڑ گیا ہے۔“

”اوہ! کس قسم کا دورہ.....!“

”ہماریاں کی قسم کا دورہ ہو سکتا ہے۔“ پروفیسر نے پرشوٹیں انداز میں کہا۔

”تب تو واقعی میں بہت ہی بے موقع آیا۔“ حمید بولا۔

”کیوں؟ کیا آپ میری صحبت میں بور فیل کر رہے ہیں؟“

”ارے نہیں..... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“

دقھا اور پری منزل سے ایک جیج سنائی دی اور حمید کے کافنوں میں بچھلی رات کی جھریاں والی چینیں گوئیں لگیں۔

”نا.....؟“ پروفیسر بولا۔ ”اُسی کی چینیں ہیں۔ دورے کی حالت میں جیج رہا ہے۔“

جمید سوچ میں پڑ گیا۔ کیا چھپلی رات والی چینیں اسکی ہی نہیں تھیں؟

"کس وقت پڑا تھا دورہ.....؟" "اس نے پوچھا۔

"صحیح ہی سے وہ اس مصیبت میں جتنا ہے۔"

چینچ پھر سنائی دی اور ساتھ ہی باہر برآمدے میں بہت سے آدمیوں کے قدموں کی آوازیں گوئیں لگیں۔ دوسرے لمحے میں پردہ ہٹا اور فریدی سات آٹھ سلسلہ کاشیلوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔

پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ اور کاشیل اندر آگئے۔

جمید نے پروفیسر ملک کی گردان پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا..... اور کاشیلوں نے اُسے سنبھال لیا۔

"عارف میاں سلسلے.....!" فریدی نے کہا۔ "میں سمجھا تھا شاید تم کام آگئے۔"

جمید نے اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کیا بے ہو گئی ہے۔" پروفیسر ملک چینا۔

"خاموش رہئے جتاب۔" جمید نے کہا۔ "ہم ذرا اُس مریض کو دیکھنے جا رہے ہیں جو غالباً اب چل بسا ہو گا۔"

اچاک چینچ پھر سنائی دی۔ ایک لمبی چینچ جو آہستہ آہستہ جسم ہوتی گئی۔

فریدی اور جمید زینوں پر چھٹے لگے انہوں نے دو تین کاشیلوں کو بھی اشارہ کیا۔ بقیر نیچے ہی رہے۔

پروفیسر ملک چینچ چینچ کر گالیاں بک رہا تھا۔ اس پر کسی کاشیل نے اُس کے منہ پر شاید تھپٹہ بھی رسید کر دیا۔

اوپر کے دو تین دروازے توڑ دیے گئے اور پھر ایک کمرے میں عجیب و غریب مظہر تھا۔

ایک برہنہ گورت جس کے ہاتھ میں ایک چک دار چمری تھی اور ایک دوسرے سردہ برہنہ جسم پر جھکی ہوتی تھی۔ اُس کی پشت انہیں کی طرف تھی۔ اس نے چہرہ نہ دیکھا جا سکا۔

پھر وہ یک لخت اچھل کر دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

"میرے خدا.....!" جمید تھیر آمیز انداز میں چینا۔ "افروز تھی..... ارے لیڈی جیا گیر۔"

کاشیبل دروازے ہی پر جم کر رہے گئے تھے۔

"پڑو.....!" فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

"میں.....! " حمید ہکلایا۔ " آپ ہی..... کیوں نہیں۔"

فریدی نے کاشیبلوں کی طرف دیکھا۔

"کہیں ادھر سے نہ نکل جائے۔" ان میں سے ایک بولا اور وہ سب گلری سے گذرتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ ڈرتے ہیں؟" حمید تھوک ٹکٹا ہوا بولا۔ " اُس کے چہرے پر ہوایاں اڑ رہی تھیں۔"

"نہیں..... تو.....!" فریدی بھی تھوک ٹکٹا ہوا بولا۔ " وہ..... نن..... نگلی ہے۔"

"کیا واقعی.....؟" حمید نے احتمالوں کی طرح پوچھا۔ حالانکہ وہ خود بھی اُسے اُس حالت میں دیکھ چکا تھا۔

فریدی نے بھی احتمالوں کی طرح سر ہلا دیا۔

پھر اچاک اُس کرے سے ایک فائر ہوا اور فریدی کی قلقت ہیٹ صاف اڑ گئی۔

"وہ گئی۔" حمید چیخ کر قلقت ہیٹ کی طرف دوزا۔

"ہوش میں آؤ.....!" دفعتاً اُسے فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔

حمد پلٹ آیا۔ فریدی نے ایک میراث کر اُس کی آڑ لے لی تھی۔ حمید بھی اُس کے قریب آگیا۔

"لیڈی جہاگیر.....!" فریدی چینا۔ " روپور پھینک دو۔"

کرے سے پھر فائر ہوا۔ فریدی نے بھی جوابی فائر کیا۔ حمید نے نیچے بھی فائروں کی آوازیں شیش پھر پوری عمارت دھماکوں سے گونجنے لگی۔ اس کرے سے جس میں لیڈی جہاگیر تھی تھی فائر ہونے کا یہ مطلب تھا کہ دوسری طرف نکل بھاگنے کا کوئی راست نہیں تھا۔ درست وہ صاف نکل گئی ہوتی۔ حمید کا دماغ بہت سے کام کرنے لگا تھا۔ اُس نے سوچا کہ کہیں دوسری طرف سے بھی فائر نہ شروع ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس وسیع عمارت میں صرف تین ہی آدمی رہے ہوں۔ دفعتاً اُس کی نظریں اُس لاش پر پڑیں جس پر سے لیڈی جہاگیر اٹھی تھی۔ وہ سچھلی

ااشوں تی کی طرح درندگی کا شکار ہوئی تھی۔

یخے بر ابر فائر ہو رہے تھے اور جنہیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سامنے والے کمرے سے پھر فائر ہوا اور ساتھ ہی ایک چین بھی سنائی دی۔

"خود کشی.....!" فریدی میز کی اوٹ سے نکل کر کمرے کی طرف چھپنا۔

لیڈی جہانگیر فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اُس کے دامنے کان سے خون بہر رہا تھا۔ فریدی نے اپنا کوت اتار کر اُس کے برہنہ جسم پر ڈال دیا۔ وہ اپنی سانیں لے رہی تھی فریدی زخم دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے حمید کا کوت بھی اتردا کر اُسے اچھی طرح لڑک دیا۔

"کامیاب نہیں ہوئی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "گولی صرف کان میں گئی ہے۔ تم سینیں شہرو۔" پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

یخے اب تک گولیاں چل رہی تھیں۔ دھنٹا حمید کی نظریں کمرے کے روشنдан کی طرف اٹھ گئیں۔ شیشوں کے چیچے اُسے ایک لمبی اچھڑہ دکھائی دیا۔ دوسرا ہی لمحے میں اُس کے رویا اور سے ایک شعلہ نکلا۔ روشندان کے شیشے ٹوٹ کر فرش پر آ رہے اور ایک چین بلند ہوئی۔ چھڑہ پہلے تو روشندان کی طرف جھکا اور پھر یچھے کی طرف لڑک دیا۔

لیڈی جہانگیر بے ہوش پڑی تھی۔ حمید کے دل میں اُس کے لئے کسی تم کے جذبات نہیں تھے۔ نہ غصہ، نہ نفرت، نہ ہمدردی نہ پیار۔ اور اب تو اُس کی حرمت بھی رفع ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محبوس ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے اس کی توقع رہی ہو حالانکہ یہ بات پہلے اُس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

تحوڑی دیر بعد اور کچھ کا شیبل پہنچ گئے۔ حمید انہیں لیڈی جہانگیر کے پاس چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔ وہ لمبیوڑے چہرے والے کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

یخے گولیاں چلانا بند ہو گئی تھیں۔ ہال میں حمید کو کئی لاشیں نظر آئیں۔ کچھ قیدی اور کچھ زخمی دکھائی دیئے۔ تن کا شیبل بھی کام آئے تھے۔ فریدی کی پیشانی سے خون بہر رہا تھا جسے وہ بار بار انگلی سے پوچھ کر ادھر ادھر چڑک دیتا تھا۔

"یہ کیا ہوا.....؟" حمید نے پوچھا۔

"میزالتت وقت شاید چوت آگئی تھی۔" فریدی نے کہا اور قیدیوں کا جائزہ لینے لگا۔

"ایک لاش تیسری منزل پر بھی ہے۔" حمید بولا۔

اور وہ لاش حقیقتاً لمبورٹے چہرے والے ہی کی نکلی۔

آدھے گھنٹے کے بعد زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جا رہا تھا۔ ان میں لیڈی جاگیر بھی تھی جو بھی سک ہوش میں نہیں آئی تھی۔

دوسری صحیح اخبارات شائع ہوتے ہی شہر میں بالکل مج گئی۔ ہا کر چیختے پھر رہے تھے۔ انکہ فریدی اور سرجنت حمید کے کارنا میوں سے گتام گیاں تک گونج رہی تھیں۔ پہلیں ہسپتال کے سامنے تقریباً آدھا شہر امنڈ آیا تھا۔ ہر ایک اُس درندہ صفت عورت کی ایک جھلک کے لئے بے تاب نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی زبانوں پر اُس کی خوبصورتی اور پرشش شخصیت کی کہانیاں تھیں۔ زیادہ تر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ یقیناً اُس کے جسم میں کوئی خبیث روح طول کر گئی ہے۔

دوسری طرف فریدی اپنے آفس میں بیٹھا افران بالا کو اس کیں کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

"جنہیں اس عورت پر پہلے ہی سے شہید تھا۔" اس نے کہا۔ "لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ خود ہی اس رودہ لی سرگزت بھی ہے۔ جنہیں اُس پر اُسی وقت شہید ہو گیا تھا جب وہ قمار خانے سے برآمد ہوئی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ وہ ایک متفق کرنے میں رسیوں سے بندگی پڑی تھی۔ آخر سے رسیوں سے باندھنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ اس کرنے کو متفق بھی کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ بندگی نہ ہوتی تو بھی کرنے سے باہر نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اگر حفاظت کے خیال سے کسی کو باندھا بھی جاتا ہے تو عموماً اُس کے دونوں ہاتھ پشت پر ہوتے ہیں تاکہ وہ چیزوں کی رسیاں نہ کھوں گے۔ اس کے برخلاف اُس کے دونوں ہاتھ یونہی معمولی طور پر بندھے ہوئے تھے اگر وہ چاہتی تو بے آسانی اپنے چیزوں کی رسیاں کھوں گئی تھی۔ پھر اُس کے بعد ہاتھ بھی کھل کتے تھے۔

در اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب مجرم بجا گئے لگے تھے تو اُس نے خود کو بندھوا لیا تھا۔ جلدی میں وہ ان نکتوں پر غور نہ کر سکی۔ درست ویسے وہ بلا کی ذہین عورت ہے۔ اُسے سو فیصدی شہید تھا کہ میں اس کی طرف سے مخلکوں ہوں۔ لہذا اُس نے میرا نیک رفع کرنے کے لئے اپنے یہاں نوروز کا بال منعقد کیا اور اُس میں اپنے ہی آدمیوں سے ہڑبوگ پھوائی۔ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ اُسے

دوبارہ اخنانے کے لئے آئے تھے۔ بہر حال موقع واردات پر پکڑنے سے پہلے یہ چیز میرے لئے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ وہ اس گروہ کی سرغناہ ہو سکتی ہے یادہ ساری درندگی اُس کی تھی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ کوئی آدمی اُسے لڑکوں کو بچانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پرسوں والی لاش جو جھریاں میں ملی تھی اُس نے میرے خیالات بکسر بدلت دیے۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مرد کی جستجو تو بالکل ہی ترک کر دی کیونکہ اُس لاش پر مجھے کئی جگہ اپنکے نشانات بھی ملے تھے۔ لیکن اس حالت میں بھی میرے ذہن میں لیڈی جہاگیر نہیں آئی۔ اُسے دیکھ کر یہ کہاں نہیں جاسکتا کہ وہ کسی وقت بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہو گی۔ اس کے برخلاف میری ذہن میں کسی حد درجہ خوفناک صورت والی عورت کی تصویر تھی۔ دوسری دلچسپ بات یہ کہ اس پورے گروہ میں دو ایک کے علاوہ کسی اور کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان پر کوئی عورت حکومت کر رہی ہے۔ لیڈی جہاگیر نے یہ گروہ بڑے ہی پراسرار طریقے پر ترتیب دیا تھا۔ گروہ کے بیتھے افراد نے اعتراف کیا ہے کہ وہ عادی مجرم ہیں اور انہیں خط و کتابت کے ذریعے اس کروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ انہیں باقاعدہ طور پر بڑی تجویہیں ملی تھیں اور مال غیرمت کا کچھ حصہ بھی ان میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سردار کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ انہیں سردار کے احکامات ڈالنے یا کرن ڈالنے سے ملتے تھے۔

پھر فریدی نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر لیڈی جہاگیر کا طبی معاملہ کرنے کے بعد اس تیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ جنسی جنون میں بجا ہے۔ اس میں Nymphomania (جنسی بوالہوی) اور Sadism (اذیت کوئی) دونوں رجحانات موجود ہیں۔

”اُسی لئے آپ مجھے اُس سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہے تھے؟“

حمد نے منہ بنا کر کہا۔ افسران بالائی کے سامنے وہ بولنے کے لئے بے جمین تھا لیکن شجانے کس طرح اُس نے خود کو روکا تھا۔ اُن کے پاس سے پہنچتی ہی اُس نے فریدی کو چیڑنا شروع کر دیا۔ اور آپ نے اتنی خطرناک جگہ مجھے کیوں بھیجا تھا۔“

”حمد صاحب.....!“ فریدی سگار سلکاتا ہوا بولا۔ ”اگر میں آپ کو پہلے ہی یہ بتا دیتا کہ افراد مشتبہ ہے تو آپ اپنے رویے میں فطری ہے ساختگی برقرار رکھ سکتے۔“

حید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”آپ بھی اس سے بُری طرح خائف تھے۔“
”میں..... نہیں تو۔“

”قطیٰ تھے۔ اسی لئے آپ اس رات اس بیویگی عورت کے ساتھ تھے۔ آپ کو خوف تھا کہ کہیں افراد آپ کو دیں نہ ادھیز نا شروع کر دے۔“
فریدی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ حید بھی کچھ دیر خاموش رہا۔
”ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔“ حید نے کہا۔ ”وہ یہ کہ افراد بذات خود بہت دولت مند تھی۔ پھر اس نے یہ سب کیوں کیا۔ اس کے گروہ والے ڈاکے بھی تو مارتے تھے۔ اعلیٰ پیانے پر جو ابھی مکلا تے تھے۔“

”خود اس کا مقصد لوٹ اور کھوٹ نہیں تھا۔“ فریدی بولا۔ ”اس نے یہ سب کچھ محض اپنے جتوں کی تسلیم کے لئے کیا تھا۔ اگر وہ اتنا طاقت ور گروہ نہ بنا تی تو اسے اپنی حیواتیت کی بھیث چڑھانے کے لئے نوجوان کہاں سے ملتے۔“
”خدا کی قسم آپ کی شادی اُسی کے ساتھ ہونی چاہئے۔“ حید بے ذمگان پن سے ہنستا ہوا بولا۔
”پھر اتر آئے تم بکواس پر..... جاؤ اپنا کام کرو۔“
”اچھا ایک بات بتا دیجئے؟“

”جلدی بکو! ابھی مجھے روپرٹ مکمل کرنی ہے۔“
”کل اسے پڑاتے وقت آپ کی گھنی کیوں بندھ گئی تھی؟“
”رمیش.....!“ فریدی نے سرجنت رمیش کو آواز دی۔
”می.....!“ رمیش دوسرا کرے سے بولا۔

”اسے یہاں سے کان پکڑ کر نکال دو۔“ فریدی نے کہا اور لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

ختم شد